قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

قیمت فی پرچہ	ٹیلیفون	بدل اشتراک
۴	۸۸۰۸۰۰	سالانہ
چار روپے	خط وکتابت	پاکستان ——— ۴۸ روپے
	ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) ۲۵/بی گلبرگ ۲ لاہور	غیر ممالک ——— ۱۱۰ روپے

جلد (۴۰) — مارچ ۱۹۸۷ء — نمبر ۳

فہرست

۱ - قائدِ اعظمؒ کا ارشاد ۲

۲ - لمعات ۳

۳ - رابطۂ باہمی ۷

۴ - قائدِ اعظمؒ کی خدمت میں ایک چینی شاعر کا خراجِ تحسین (ترجمہ) ۸

۵ - آدم نو کی تخلیق (محترم پرویز صاحبؒ) ۹

۶ - پاکستان کی نشاۃِ ثانیہ (محترم حسن عباس رضوی) ۳۷

۷ - طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) (متن وثیقہ ٹرسٹ) ۴۹

۸ - اردو ترجمہ وثیقہ طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) ۵۳

۹ - دین کی باتیں (محترمہ ثریا عندلیب صاحبہ) ۵۷

۱۰ - حقائق و عبر (شریعت بل تحریک دم توڑ چکی ہے) (ہفت روزہ اہلحدیث کا شکریہ) ۶۲

ناشر: شیخ عبدالحمید۔ مقامِ اشاعت: ۲۵/بی گلبرگ ۲ لاہور۔ مطبوعہ: النور پرنٹرز، ۲/۲ فیصل نگر۔ ملتان روڈ۔ لاہور ۲۵۔

ملتِ اسلامیہ پاکستانیہ کے نام

قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

میری نظر میں قرآنِ مجید کے فیصلے کے مطابق دو بدترین اور ناقابلِ معافی جرم ہیں۔

ایک شرک اور دوسرا تفرقہ

تفرقہ خواہ مذہبی پیشواؤں کے نام پر ہو خواہ سیاسی رہنماؤں کے نام پر، وطنیت کے نام پر ہو خواہ رنگ نسل اور خون کے نام پر ہو، بہرحال جرمِ عظیم ہے۔ ان دونوں جرائم میں سے پہلے جرم (شرک) کی سزا اُخروی زندگی میں ملے گی لیکن دوسرے جرم (تفرقہ) کی سزا اس دنیا میں ذلت و خواری، غلامی اور محکومی کی شکل میں ملے گی۔ اور آخرت میں اس سے بھی بدتر شکل میں۔ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ نے تمام نوعِ انسان کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے — ایک مومن اور دوسرے کافر — اسی کا نام

دو قومی نظریہ

ہے۔ مومنین کے اندر کسی بنیاد پر تفرقہ ناقابلِ معافی جرم قرار پائے گا۔

بحوالہ مولانا غلام مرشد (سابق خطیب بادشاہی مسجد لاہور۔ ۲۶-۱۹۳۵ء)

(ماخوذ از مجلہ طلوعِ اسلام۔ جولائی ۱۹۷۶ء)

بشکریہ ماہنامہ مجلہ طلوعِ اسلام بابت فروری ۱۹۸۰ء — طلوعِ اسلام ٹرسٹ نے النور پرنٹرز سے چھپوا کر ۲۵/بی گلبرگ ۲ لاہور سے شائع کیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

لمعات

۱۔ پانچویں اسلامی سربراہی کانفرنس

پانچویں اسلامی سربراہی کانفرنس۔ برادر ملک کویت میں جنوری ۱۹۸۷ء کے آخری ہفتے میں شروع ہو کر ختم ہو چکی ہے اس وقت اسلامی دنیا جن کٹھن حالات سے گزر رہی ہے اس کی بناء پر تمام اسلامی دنیا کی نظریں اس کانفرنس پر لگی ہوئی تھیں اور دنیا کے ہر کونے میں مسلمان یہ توقع کر رہے تھے کہ کانفرنس کے اس اجلاس میں اسلامی دنیا کے اتحاد کے لئے مثبت قدم اٹھائے جائیں گے اس سلسلے میں کانفرنس میں کیا پیش رفت ہوئی اس کا جائزہ لینے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قارئین طلوع اسلام کو اس تنظیم کے وجود میں آنے کے اسباب سے آگاہ کیا جائے۔

اس کانفرنس کی بنیاد آج سے اٹھارہ سال پہلے رکھی گئی تھی اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ اسرائیل نے اگست ۱۹۶۹ء میں ایک سازش کے تحت مسجدِ اقصیٰ کو آگ لگا دی تھی جس سے مسجد کو شدید نقصان پہنچا۔ اس واقعہ پر اسلامی دنیا تلملا اٹھی اور اسرائیل کی اس سازش کے خلاف غم و غصہ کے اظہار کے لئے ۲۴ مسلم ممالک کے سربراہ، مراکش کے دارالحکومت رباط میں جمع ہوئے تھے اور اس مسئلہ پر اتحاد کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہوں نے تقاضا کیا کہ ایک سخت تر موقف اختیار کیا جائے تاکہ آئندہ اسرائیل، مسلمانوں کے مقدس مقامات کی بے حرمتی نہ کر سکے۔ اس کانفرنس میں یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ مسلمان ملکوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے اور انہیں درپیش مسائل پر صلاح و مشورہ کے عمل کو آگے بڑھانے کے لئے اس کانفرنس کو مستقل ادارے کی حیثیت دی جائے۔ چنانچہ تمام مسلمان ملکوں نے اس کی تائید کی اور اسلامی کانفرنس کے نام سے مسلمانوں کا ایک بین الاقوامی ادارہ وجود میں آگیا۔

اس کانفرنس کے فیصلے کے مطابق دوسری سربراہ کانفرنس لاہور میں منعقد ہوئی۔ کانفرنس کے اس اجلاس کی کارروائی بڑی جاندار تھی اور بڑی طاقتوں کو یہ خدشہ محسوس ہوا کہ اگر مسلمان ممالک واقعی، اتحاد کی کوششوں میں کامیاب ہو گئے تو پھر یہ بین الاقوامی سطح پر ایک موثر طاقت بن کر ابھریں گے!۔ اسلامی ممالک کے اتحاد کے لئے لاہور کے اجلاس میں مندرجہ ذیل اصول وضع کئے گئے تھے۔

۱۔ مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت کے لئے مستقل اقدامات کئے جائیں اور فلسطینیوں کی جدوجہدِ آزادی میں ہر قسم کا تعاون

کیا جائے۔

۲۔ مسلمان ممالک کے درمیان اتحاد و اتفاق کے فروغ کے لئے منظم کوششیں کی جائیں۔

۳۔ نسلی امتیاز کے خاتمے اور استعماریت کے خلاف جدوجہد میں مسلمان ممالک ایک دوسرے سے تعاون کریں۔

۴۔ کانفرنس کے رکن ممالک کے درمیان، سماجی، اقتصادی، تعلیمی اور سائنسی سطح پر تعاون کیا جائے۔

۵۔ منصفانہ بنیادوں پر بین الاقوامی امن کے قیام اور علاقائی سلامتی کے لئے کام کیا جائے۔

۶۔ رکن ممالک کے درمیان اگر کوئی تنازعہ ہوگا تو اسے پُرامن طریقے سے حل کیا جائے گا اور حل کے لئے طاقت کے استعمال سے گریز کیا جائے گا۔

اسلامی کانفرنس کے لاہور کے سربراہی اجلاس کی کارکردگی کافی مؤثر تھی اور اسلامی اتحاد ایک مثبت اور مؤثر قوت کی شکل میں نظر آنے لگا۔ یہ صورتحال بڑی طاقتوں اور خاص طور پر اقوام متحدہ میں سیاسی اجارہ داریاں رکھنے والے ممالک کے لئے ایک خطرہ بن گئی اور انہوں نے محسوس کیا کہ اگر اسلامی کانفرنس اسی طرح پیش رفت کرتی رہی تو دنیا کی سیاسی قوت مسلمان ممالک کے ہاتھ میں آجائے گی۔ چنانچہ ان بڑی طاقتوں نے مسلمانوں کے ان لیڈروں کو جو اس کانفرنس کے روحِ رواں تھے ان کے اپنے ممالک سے سیاسی پس منظر سے ہٹا دیا۔

حالیہ پانچویں سربراہی کانفرنس نے آخری اجلاس کے اختتام پر جو مشترکہ اعلان جاری کیا ہے اس میں ایک قرارداد کے ذریعے عراق اور ایران کے درمیان فوری طور پر جنگ بند کرانے کی اپیل کی گئی ہے۔ اور دونوں ملکوں سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ اپنی فوجیں بین الاقوامی سرحدوں پر لے جائیں اور جنگی قیدیوں کا باہمی تبادلہ شروع کر دیا جائے۔ اس کے علاوہ مشترکہ اعلان میں اقوامِ متحدہ کے زیرِ اہتمام مشرقِ وسطیٰ میں امن کے لئے بین الاقوامی کانفرنس کے جلد بلانے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اس کانفرنس میں متعلقہ فریقوں کے ساتھ تنظیم آزادیٔ فلسطین کو برابر فریق کی حیثیت دی جائے۔ اس کے ساتھ ہی حکومتِ امریکہ کی جانب سے اسرائیل کی سیاسی، فوجی، اقتصادی اور دیگر تمام شعبوں میں مسلسل حمایت کی بھی مذمت کی گئی ہے۔

مسلم عوام اس کانفرنس سے جس قسم کی توقعات وابستہ کئے ہوئے تھے وہ کانفرنس کے اس اعلامیے سے سخت مایوس ہوئے انہوں نے محسوس کیا کہ اس وقت عالمی امور اور عالمی سیاست میں، اسلامی بلاک کس حد تک کمزور ہو چکا ہے اور حالیہ سربراہی کانفرنس کی کارکردگی چند بے جان، قراردادوں سے آگے نہیں بڑھ سکی۔ اس اجلاس کی پہلی بدقسمتی تو یہ ہوئی کہ ایران اور عراق کے درمیان ہفت سالہ جنگ کے ایک فریق ایران نے سرے سے شمولیت سے انکار کر دیا، اس کا اعتراض تھا کہ جس ملک میں یہ کانفرنس ہو رہی ہے وہ عراق کو ہر قسم کی مالی اور فوجی امداد دے رہا ہے۔ اور اس طرح وہ عملاً ایران سے برسرِ پیکار ہے۔ اسی طرح لیبیا کے صدر قذافی نے بھی اجلاس میں شرکت سے معذوری ظاہر کر دی

اس کا اعتراض یہ تھا کہ امریکہ نے اس کے ملک پر ناجائز حملہ کیا تھا اور اسلامی کانفرنس نے اس کی مذمت نہیں کی تھی۔ کانفرنس کے دوران مختلف اسلامی ممالک کے سربراہوں نے دھواں دھار تقاریر کیں۔ لیکن آخر میں معاملہ چند قراردادوں سے آگے نہ بڑھ سکا۔ اہل پاکستان کے لئے دکھ کی بات یہ ہے کہ اس اجلاس میں جہاں مسئلہ فلسطین، ایران عراق جنگ اور مسئلہ افغانستان وغیرہ پر بحثیں ہوئیں وہاں مسئلہ کشمیر پر کوئی غور وخوض نہ کیا گیا اور نہ ہی اس سلسلے میں کسی قرارداد کے ذریعے بھارت پر کوئی سیاسی اور سفارتی دباؤ ڈالا گیا۔ اسلامی کانفرنس کے اجلاس لاہور میں جن عظیم مقاصد اور اعلیٰ تر جذبوں کی تکمیل کا پروگرام بنایا گیا تھا وہ پانچویں سربراہی اجلاس کے سفر تک فراموش کر دیا گیا اور اب معاملہ صرف رسمی کارروائی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ پھر جس طرح ایران اور لیبیا نے، کانفرنس میں شریک ہونے سے انکار کر دیا اس سے خدشہ محسوس ہونے لگا ہے کہ چھٹی سربراہی کانفرنس جو ۱۹۹۰ء میں سینیگال میں منعقد ہو گی اس میں شرکاء کی تعداد اور کم نہ ہو جائے۔

اسلامی ممالک کے تیل کے بل بوتے پر امریکہ، جاپان اور یورپ، صنعتی، اقتصادی اور ٹیکنالوجی کی ترقی میں آگے ہیں اور اسلامی ممالک اقتصادی نو آبادیاتی نظام کا ایک حصہ بن کر رہ گئے ہیں۔ خیال یہ تھا کہ اس تنظیم کے ذریعے اسلامی ممالک، اقتصادی، فوجی، ثقافتی، معاشرتی اور سائنسی لحاظ سے ترقی کرنے کی کوشش کریں گے کہ جس کے نتیجے میں یہ بھی ایک طاقتور سیاسی بلاک بن کر ابھریں گے۔ لیکن یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا بلکہ اس کے برعکس اس وقت عالم اسلام بڑی حد تک انتشار اور افتراق کا شکار ہو چکا ہے اور وہ مسلمان ملکوں کے درمیان ہونے والے کسی جھگڑے کو ختم کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ اور اب یہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ مسلم ممالک کو درپیش مسائل کی کنجیاں واشنگٹن اور ماسکو میں ہیں۔ یہاں تک کہ اسلامی کانفرنس نے مسئلہ فلسطین کے حل کے لئے جس بین الاقوامی کانفرنس کے انعقاد کی قرارداد منظور کی ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان ملکوں کے مسائل خود مسلمان ممالک نہیں بلکہ امریکہ اور روس حل کر سکتے ہیں۔

اگر مسلمانان عالم اسلامی کانفرنس کی تنظیم کو ایک مؤثر ادارے کی حیثیت سے برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو انہیں اپنے اپنے ممالک کی حکومتوں پر زور دینا چاہیئے کہ وہ کانفرنس کی کارکردگی کو بہتر بنانے کے لئے مثبت قدم اٹھائیں۔ صرف قراردادیں پاس کر دینے یا اپیلیں جاری کرنے سے اس تنظیم کا وقار باقی نہیں رہ سکے گا۔ اس کانفرنس کو بااختیار ہونا چاہیئے تاکہ وہ اپنے وجود کو منوا سکے اور اس طرح وہ مسلمان ملکوں کے درمیان جھگڑے ختم کرانے میں مثبت کردار ادا کر سکے گی۔

۲۔ شریعت بل اور پرویز صاحب کا ہوّا

قارئین طلوعِ اسلام اور ملک کے تمام لکھے پڑھے لوگ جانتے ہیں کہ پرویز صاحب کی وفات فروری ۱۹۸۵ء میں ہوئی۔ جبکہ شریعت بل ان کی وفات کے ایک سال بعد پیش ہوا۔ جب سینٹ نے اسے رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے پیش کیا تو سب سے پہلے طلوعِ اسلام نے اپنی مارچ ۱۹۸۶ء کی اشاعت میں اس پر مفصل تبصرہ شائع کرکے یہ ثابت کیا تھا کہ یہ بل اسلامی تعلیمات کے تقاضے پورے نہیں کرتا۔ بس پھر کیا تھا علماء کے مختلف گروپوں نے اس کی سخت مخالفت شروع کردی اور بل پیش کرنے والے علماء کا چونکہ سرکاری حلقوں میں کافی اثر ورسوخ تھا اس لئے بعض حلقوں کی جانب سے ان پر یہ الزام لگایا گیا کہ یہ بل اسلام کے نفاذ کے لئے پیش نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس کے مقاصد کچھ اور ہیں۔ اس بارے میں بل کے مخالف علماء نے جن حقائق سے پردہ اٹھایا اسے ہم طلوعِ اسلام کی مختلف اشاعتوں میں حقائق وعبر کے عنوان کے تحت پیش کرتے رہے ہیں۔

بعد میں حکومت نے اس مقصد کے لئے آئین میں نویں ترمیم کا بل پیش کیا جسے سرکاری شریعت بل سمجھا جاتا ہے اور جس کے بارے میں خود حکومت کا یہ دعوےٰ ہے کہ وہ ملک میں شریعت اسلامی نافذ کرنے کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ طلوعِ اسلام کی اگلی اشاعت یعنی اپریل ۱۹۸۶ء میں اس کا جائزہ لیا گیا اور اس میں یہ ثابت کیا گیا کہ اس بل کے ذریعے تمام سودی معاملات کو جوں کا توں رکھنے کا انتظام کیا گیا ہے۔ ہاں مولویوں کو خوش کرنے کے لئے صرف عائلی قوانین کو تختۂ مشق بنایا گیا ہے۔ چنانچہ ہم نے یہ واضح کر دیا کہ یہ بل بھی اسلامی تعلیمات کے تقاضے پورے نہیں کرتا۔

اسی دوران شریعت بل کے علمبردار علماء نے ایک پریس کانفرنس کے ذریعے، حکومت کو پیشکش کی کہ وہ اگر ان کی کچھ ترمیمات تسلیم کرلے تو وہ آئین کی نویں ترمیم کو شریعت بل کے قائم مقام سمجھ لیں گے۔ ہم نے طلوعِ اسلام کی گزشتہ اشاعت (فروری ۸۷ء) میں شریعت بل کے علمبرداروں کی اس پیشکش پر تبصرہ کرتے ہوئے واضح کیا تھا کہ یہ حضرات بھی مالی معاملات کو شریعت سے دور رکھنے میں حکومت کی سوچ کے قریب آگئے ہیں اور اب ان کا سارا زور عائلی قوانین پر ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک شریعت بل سے مراد عائلی قوانین کی منسوخی ہے۔ اس بارے میں طلوعِ اسلام میں یہ دعویٰ بار بار دھرایا جا چکا ہے کہ عائلی قوانین میں کچھ بھی خلافِ اسلام نہیں، ان سے صرف مولوی حضرات کی چودھراہٹ پر فرق پڑا ہے جس کی وجہ سے وہ انہیں خلافِ اسلام قرار دے کر ختم کرانے پر تلے ہوئے ہیں۔

مختصر یہ کہ طلوعِ اسلام نے غیر سرکاری اور سرکاری دونوں بلوں کا جائزہ لے کر ثابت کیا تھا کہ یہ دونوں

خلاف اسلام ہیں لیکن فرقہ اہل حدیث کا ایک ماہنامہ پرویز صاحب پر یہ جھوٹا بہتان باندھتا ہے کہ شکر ہی بل مسٹر غلام احمد پرویز کے افکار کی بازگشت ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان علماء حضرات کے سر پہ پرویز صاحب کا ہوّا سوار ہے کہ وہ ان کی وفات کے بعد بھی انہیں چین نہیں لینے دیتا۔ جن بلوں کو طلوعِ اسلام میں فکرِ پرویز کی روشنی میں خلاف اسلام ثابت کیا جاچکا ہے اسے پرویز صاحب کی فکر قرار دینا، ڈھٹائی کی انتہا ہے۔ ماہنامہ محدث کے ایڈیٹر کو اپنے گریبان میں منہ ڈالنا چاہیئے کہ اس نے کس کے اشارے پر اہلحدیث مسلک کو خیرباد کہہ کر حنفی فقہ کا دامن تھاما تھا۔ اس پر خود ان کے فرقے کے علماء نے لعن طعن کی تھی اس سے بھی وہ بے خبر نہیں ہوں گے اس کی جھلکیاں ہم طلوعِ اسلام کے کالم حقائق و عبر میں قارئین کے سامنے پیش کرتے رہے ہیں۔ دراصل جب انسان درباری بن جائے تو اسے بعض اوقات اپنا تے کیا ہوا بھی دوبارہ چاٹنا پڑتا ہے۔

رابطۂ باہمی

ادارۂ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) مندرجہ ذیل بزم ہائے طلوع اسلام کی تنظیم نو اور اُن کے نئے منتخب نمائندگان کی توثیق کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہے کہ وہ ان کے پیشِ نظر مقاصد میں کامیابی اور ارادوں میں برکت فرمائیں۔

۱۔ بزم طلوع اسلام۔ جام پور
معرفت لشاری میڈیکل سٹور۔ جام پور ضلع راجن پور (ڈیرہ غازی خان ڈویژن)
نمائندہ بزم۔ بشیر احمد برمانی صاحب

۲۔ بزم طلوع اسلام چشتیاں
معرفت شاہد فاروق خان گیس ڈیلرز۔ غلہ منڈی چشتیاں۔ ضلع بہاول نگر
نمائندہ بزم۔ جناب ملک اختر نواز صاحب

۳۔ بزم طلوع اسلام چوٹی زیرین
معرفت مطب حکیم مہر علی برمانی صاحب بالمقابل نیشنل بنک چوٹی زیریں۔ ڈاک خانہ خاص۔ ڈیرہ غازی خان
نمائندہ بزم۔ حکیم مہر علی برمانی صاحب۔

ایک چینی شاعر کا حضرت قائدِ اعظمؒ کو خراجِ عقیدت

قائدِ اعظمؒ کی وفات پر دنیا بھر کے سیاست دانوں، ادیبوں اور شاعروں نے بہترین الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا تھا۔ ذیل میں چین کے ایک نامور شاعر لوہ ینگ کے خراجِ تحسین کا ترجمہ دیا جاتا ہے۔

عہد

جناح! اے مقاومت، جہاد اور انقلاب کے نشان!
جسے صحراؤں کے خانہ بدوش بھی پہچانتے تھے،
اور گنگا کے کناروں پر بسنے والے بھی!
میرا کمزور دل آج غم کے مقابلے میں عاجز ہے۔
میں رونے پہ مجبور ہوں،
اگرچہ آنسو میرے غم کی شدت کے اظہار سے قاصر ہیں،
او جناح! روحِ انسانی تجھے کبھی بھولنے نہ پائے!
حکمرانوں کی نخوت اور دشمنوں کی لذتِ خون آشامی برقرار رہے گی۔
لیکن تو صبر و اطمینان سے اپنی آنکھیں بند کر لے،
کیوں کہ جنگلوں میں،
اور ساحلوں پر،
تیرے بیٹے (ہی نہیں)،
تیری بیٹیاں (بھی)،
تلواریں ہاتھوں میں لئے۔
حق کی حمایت کرتی رہیں گی،
تیرے طویل جہاد کو،
از سرِ نو شروع کریں گے،
اور یہ نسل (ہی)
تیرا نام پایۂ تکمیل تک پہنچا دے گی،
یہ صرف ایک نوحہ نہیں،
حلف ہے!

(لوہ ینگ)

بشکریہ ماہنامہ "قومی زبان" بابت دسمبر ۱۹۸۶ء

محترم پرویز صاحب کا وہ معرکۃ الآراء خطاب جسے انہوں نے طلوعِ اسلام کنونشن منعقدہ اکتوبر ۱۹۷۶ء کے افتتاحی اجلاس سے ارزانی فرمایا۔

آدمِ نو کی تخلیق

عزیزانِ من! جیسا کہ آپ نے میرے آج کے خطاب کے موضوع سے اندازہ لگا لیا ہو گا، میرے پیشِ نظر اس تباہی کا دلسوز اور جگر خراش تذکرہ ہے جو نہ کسی خاص خطۂ زمین تک محدود ہے اور نہ کسی خاص قوم یا مملکت سے مخصوص۔ یہ اس جہنم کا جاں سوز قصہ ہے جس میں آج پورے کا پورا عالمِ انسانیت جھلس رہا ہے اور جس سے نکلنے کی کوئی راہ وہ اپنے سامنے نہیں پاتا۔ قرآن کریم نے اپنے زمانۂ نزول کی عالم گیر تباہی کی طرف یہ کہہ کر اشارہ کیا تھا کہ:-

عالم گیر فساد

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ ..... (۳۰/۴۱)

کرۂ ارض پر، خشکی اور تری میں، ہر جگہ فساد برپا ہے اور یہ سب، لوگوں کا اپنا کیا کرایا ہے۔ اس کے ذمہ دار خود ان کے خود ساختہ نظامِ حیات ہیں۔

اُس زمانے میں، دنیا میں روم اور ایران کی دو سب سے اہم تہذیبیں تھیں۔ اور یہ دونوں پستیٔ اخلاق و کردار کے جن عمیق گڑھوں میں گر چکی تھیں، ان پر تاریخ کے اوراق شاہد ہیں۔ لیکن دنیا کی جو حالت آج ہو چکی ہے، اس میں اِس فساد کی وسعتیں حدود فراموش اور طغیانیاں ساحل ناآشنا ہیں۔ آج، وسائلِ رسل و رسائل کی عمومیت اور ذرائع مواصلات و ابلاغ کی عالمگیریت سے، ساری دنیا سمٹ کر، ایک قطعۂ ارض بن گئی ہے۔ جس میں ان انسانیت سوز خرابیوں کے جراثیم وبائی امراض کی شکل اختیار کر چکے ہیں جن سے اس کا کوئی کونہ کھدرا تک محفوظ نہیں رہ سکتا۔ قرآن کریم نے ایک آنے والے دَور کے متعلق کہا تھا کہ: كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا۔ (۷۶/۷) "اس میں شر کی چنگاریاں فضا میں اڑتی پھریں گی"۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس میں ہمارے ہی دَور کی طرف اشارہ ہے جس میں اقبالؔ کے الفاظ میں کیفیت یہ ہو چکی ہے کہ ـــــ شرقیاں ہم غربیاں در پیچ و تاب ـــــ اس میں مشرق و مغرب سب اس کے شعلوں کی لپیٹ میں آ چکے ہیں اس میں حالت یہ ہے کہ ـــــ عالم ہمہ ویرانۂ چنگیزیٔ افرنگ ـــــ اور اس کی وجہ سے، یا یوں کہئے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ـــــ نہ دیر میں نہ حرم میں خودی کی بیداری ـــــ بہر حال یہ ہے وہ عالم گیر تباہی کا جہنم جس میں آج

ساری دنیا مبتلائے عذاب ہے۔ اور جس سے نکلنے کی کوئی راہ کسی کو دکھائی نہیں دیتی۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کا اس قسم کا منظر آسمان کی آنکھ نے شاید اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا ہو۔

اقبالؒ نے آج سے بہت پہلے کہا تھا کہ :-

دبا رکھا ہے اس کو زخمہ ور کی تیز دستی نے بہت نیچے سُروں میں ہے ابھی یورپ کا واویلا

یہ آج سے کوئی چالیس سال پہلے کی بات ہے، لیکن اس کے بعد، یورپ کے جراحت ہائے پنہاں کے درد

یورپ کا واویلا

کی شدت اس قدر بڑھ گئی کہ اس کی چیخ و پکار نے آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ پہلی جنگِ عظیم کے بعد رابرٹ برفو نے لکھا تھا کہ :-

> یہ جنگ مع اپنے تمام بہیمانہ مظاہروں کے جن کی وجہ سے آج ہمارا شعور گوناگوں وحشت انگیزیوں کا مسکن بن رہا ہے، کوئی ہنگامی واقعہ یا اتفاقی حادثہ نہ تھا۔ یہ تمام مجرمانہ حماقتیں تمام منافقتیں، تہمت تراشیاں اور دروغ بافیاں، یہ تمام سنگدلانہ حرکات، انسانی زندگی اور قوت اور دولت کی یہ تمام بربادی اور دہشت انگیز تباہی۔ غرضیکہ یہ پورے کا پورا پاگل پن اور اس کا ایک ایک عنصر، ہماری قبل از جنگ کی مغربی تہذیب کے اندر موجود تھا۔ جنگ دراصل ان تمام مذموم افعال اور نفرت انگیز اعمال کا مرئی اوتار یا محسوس مظاہرہ تھا، جن کی مسموم فضا میں ہم گھرے ہوئے تھے۔ جنگ نے صرف اتنا ہی کیا کہ ان بھیانک چہروں سے نقاب اُلٹ دیا۔

(THE MAKING OF HUMANITY)

اُسی دور کے ایک ماہرِ تجزیۂ نفس، ڈاکٹر ولیم سٹیکل نے لکھا تھا :-

> پہلی عالم گیر جنگ کے بعد جرائم عام ہو چکے ہیں۔ چوری ایک مہذب ہنر بن چکی ہے صرف اس کا نام بدل دیا گیا ہے۔ اب اسے کاروبار (بزنس) کہا جاتا ہے۔ انسانی زندگی کی کوئی قیمت نہیں رہی۔ قتل ایک عام بات ہو چکی ہے سرمایہ شہنشاہِ مطلق ہے۔ جنگ سے سہل انگاری عام ہو چکی ہے۔ ہر شخص چاہتا ہے کہ کسی طرح مفت میں دولت ہاتھ آجائے اور کام نہ کرنا پڑے۔ اخلاق کا معیار بہت پست ہو گیا ہے۔ معاشرہ کی شرم کا اب احساس تک نہیں رہا۔ اب شرم صرف اسے آتی ہے جو دوسروں کا خون چوسنے میں ناکام رہ جاتا

ؔ اس خطاب میں کئی باتیں ایسی آئیں گی جنہیں میں اس سے پہلے بھی کئی بار کہہ چکا ہوں لیکن دنیا کے حالات اس قدر ابتر ہوتے جا رہے ہیں کہ انہیں بار بار دُہرانے کی ضرورت ہے۔

ہے۔ جنگ کے بعد قمار بازی کا چسکا عام ہوگیا ہے۔ حتیٰ کہ اب وہ جنون کی کیفیت اختیار کر چکا ہے۔ جوئے کی سینکڑوں مہذب قسمیں ایجاد ہو چکی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی شراب نوشی۔ اس سے بوڑھے، بچے سب کی قوتِ عمل تباہ ہو جاتی ہے اور لوٹ مار، اور تباہ کاری کا جذبہ بیدار ہو جاتا ہے۔

(PECULIARITIES oF BEHAVIoUR)

غور کیجئے عزیزانِ من! اگر میں یہ نہ بتاتا کہ اس میں پہلی جنگ عظیم کے بعد، اقوامِ مغرب کا نقشہ کھینچا ہے، تو آپ یہی سمجھتے کہ یہ خود پاکستان کا تذکرہ ہو رہا ہے: بہر حال، اس اخلاقی پستی کا آغاز پہلی جنگ عظیم کے بعد سے ہوا، اور جوں جوں زمانہ آگے بڑھتا گیا، حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی حتیٰ کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد، یہ خرابیاں انتہائی شدت اختیار کر گئیں۔ ۱۹۴۷ء میں لارڈ سنکل کی ایک کتاب شائع ہوئی تھی۔ (THENEW WoRLD) اس میں اس نے لکھا تھا:-

> نوعِ انسان کی پوری تاریخ میں اس قسم کا دَور کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ اس وقت تہذیب ایک دوراہے پر کھڑی ہے اور یہاں سے اگر ایک قدم بھی غلط سمت کی طرف مڑ گیا تو وہ اسے برباد بلکہ فنا کر دے گا۔ یوں تو انسان کی طول وطویل تاریخ میں بہت سے حوادث آئے ہیں۔ لیکن موجودہ حادثہ نہ صرف ان سے وسعتوں اور پہنائیوں میں بڑا ہے۔ بلکہ یہ ان سب سے زیادہ پیچیدہ اور پریشان کن ہے پہلے حوادث خاص خاص خطوں میں رونما ہوا کرتے تھے اور متعین مسائل سے متعلق ہوتے تھے جنگ ہوتی تھی تو کسی خاص مقصد کے لیے ــــ کبھی خام پیداوار کے لیے۔ کبھی خام مال کی منڈیوں کی تلاش میں۔ کبھی دفاعی مؤقف کی غرض سے...... لیکن گذشتہ جنگ کو دیکھئے۔ اس کی ظلمت انسانی قلوب کی گہرائیوں میں دکھائی دے گی ــــ نسلی تفاخر۔ تغلب و تسلط کے جذبات، اور مملکت کے متعلق غلط فلسفہ۔
>
> لہذا جو مصیبت ہمارے سامنے ہے اس کے متعلق ہمیں کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے۔ اس سے پہلے منظم شر کی قوتیں کبھی اس قدر زور آور نہیں ہوئی تھیں۔ اب تو ان سے نجات کا راستہ ہی کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ ہر ملک ویرانہ بن رہا ہے اور اس ویرانہ پر افلاس، امراض اور اموات کے شیاطین منڈلا رہے ہیں...... نوعِ انسان اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی مصیبتوں سے کچلی جا رہی ہے، تباہ ہو رہی ہے۔

یہ تو ہے انسانی معاشرہ کی اجتماعی تباہ کاریوں کا تذکرہ۔ اس معاشرہ کے اندر خود فرد کی کیا حالت ہے۔ اس کے متعلق مشہور امریکی مفکر ممفورڈ لکھتا ہے کہ:۔

ہم تاریخ میں اس مقام پر پہنچ چکے ہیں جہاں انسان خود اپنا بدترین دشمن بن چکا ہے...... مغربی کلچر انسان کا ترجمان نہیں رہا۔ یہ انسان سے باہر کی دنیا سے تعلق رکھتا ہے اور خود انسان کا دشمن ہے...... اس تہذیب کے خلاف اس سے شدید تر تنقید اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ علاوہ اس کے کہ اس کے ذریعے انسان اپنے اوپر آپ تباہیاں لا رہا ہے، اسے انسانی زندگی سے کچھ دلچسپی نہیں...... اس تہذیب کا ماحصل یہ ہوگا کہ اس قسم کے مشینی انسان پیدا ہوں گے جو نہ اپنے لئے آپ فیصلہ کر سکنے کے قابل ہوں گے اور نہ ہی زندگی کی شاہراہ متعین کر سکنے کے اہل۔
(THE CONDUCT OF LIFE)

ہمارے زمانے میں، علمِ تجزیۂ نفس (PSYCHO ANALYSIS) انسان کی اندرونی دنیا سے متعلق مسائل کی بنیادی وجوہات کے سلسلہ میں بڑی تحقیق کر رہا ہے۔ اس فن کے مشہور ماہر، ڈاکٹر ینگ، نے ہزار ہا مریض نوجوانوں کے تجزیۂ نفس کے بعد ایک کتاب لکھی- MODERN MAN IN SEARCH OF SOUL وہ اس کتاب میں لکھتا ہے:۔

عصرِ حاضر کا انسان مفلوج انسان ہے۔ اندھے حوادث کے مقابلہ سے ہراساں۔ یعنی ان وحشی قوتوں کے مقابلہ میں جن پر وہ اپنے دَور کی معاشی اور سیاسی تدابیر کے زور سے قابو نہیں پا سکتا۔ یہ تو ہے اس کی خارجی دنیا کی حالت اور اگر وہ اس اندھی دنیا سے جہاں تخریب و تعمیر کی قوتیں ہر وقت ترازو کے پلڑوں کو اٹھاتی جھکاتی رہتی ہیں، اپنے اندر کی دنیا کی طرف جھانکتا ہے تو وہاں اسے باہر سے بھی زیادہ تاریکیاں دکھائی دیتی ہیں۔

یہ وہ تاریکیاں ہیں جن کے متعلق اقبالؒ نے، ابلیس کی زبان سے، کہلوایا تھا کہ: ؎

تو نے کیا دیکھا نہیں، مغرب کا جمہوری نظام ـــ چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر

خود اقبالؒ نے اس بدنصیب انسان کے قلبی اضطراب کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔

وہ اپنے فکر کی دنیا میں خود اپنی ذات کے خلاف ستیزہ کار رہتا ہے، اور سیاسی دنیا میں دوسروں کے خلاف نبرد آزما ـــ اور نہ اپنی کف بدہاں سرکشی کو ضبط میں لا سکتا ہے، اور نہ ہی ہوس زرپرستی کی ناقابلِ تسکین تشنگی کی تسکین کا سامان فراہم کر سکتا ـــ یہی وہ چیزیں ہیں جو اس کے تمام بلند مقاصد کو (ایک ایک کر کے) تباہ کر رہی ہیں اور ایسی کیفیت پیدا کر رہی

ہیں کہ وہ زندگی کے ہاتھوں بیزار ہے۔ وہ نگاہ فریب مناظر میں جذب ہو کر اپنی ذات کی گہرائیوں سے یکسر منقطع ہو چکا ہے۔ اس کی منظم مادہ پرستی کے میدان میں اس کی توانائی پر وہ فالج گر چکا ہے جسے نطشے کی نگاہ نے بھانپا اور اس پر اظہار تاسف کیا تھا۔ (خطبات صـ۱۷۷)

اقبال نے عصر حاضر کے انسان کی اس کیفیت کو بال جبریل میں دو مصرعوں میں اس طرح سمٹا کر بیان کیا ہے کہ:

مجھے تہذیب حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی — کہ ظاہر میں تو آزادی ہے، باطن میں گرفتاری

میں چاہتا تو اس موضوع پر بیسیوں شہادات کا اضافہ کر سکتا تھا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ ایک تو اس لئے کہ قلت وقت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ اور دوسرے اس لئے کہ یہ اخلاقی پستیاں یہ تباہیاں اور بربادیاں، ہمارے لئے اب جگ بیتی نہیں رہیں، آپ بیتی بن چکی ہیں۔ یہ سب ہمارے ہاں کی روزمرہ کی زندگی کا معمول بن چکی ہیں جن کے ہاتھوں ہم میں سے ہر شخص نالاں ہے لیکن ان کا کوئی مداوا کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔ لہٰذا مجھے، مزید شہادات پیش کئے بغیر آگے بڑھ جانا چاہیئے، یہ دیکھنے کے لئے کہ ان مفکرین کے نزدیک، ان تباہیوں کا بنیادی سبب کیا ہے۔ یہ بات بڑے غور سے سننے اور سمجھنے کے قابل ہے۔

مسیحی مفکر، شین نے، اپنی ایک کتاب (فلاسفی آف ریلیجن) میں ایک اہم نکتہ بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ:

> یہ ایک حقیقت ہے جس کی تصدیق تاریخ سے کی جا سکتی ہے کہ جب کبھی سائنٹیفک زاویۂ نگاہ میں کوئی بڑی تبدیلی واقع ہوتی ہے تو اس کے ساتھ ہی ایسے مفکر پیدا ہو جاتے ہیں جو چاہتے ہیں کہ بنیادی اور ابدی صداقتوں میں بھی اسی زاویۂ نگاہ کے مطابق تبدیلی پیدا کر دی جائے۔
>
> جب اٹھارویں صدی میں نیوٹن کے نظریہ کے ماتحت خارجی کائنات کے متعلق ایک نیا تصور قائم ہوا تو اس کے ساتھ ہی اس کا بھی تقاضا شروع ہو گیا کہ اب دنیا کو مذہب بھی نیا ملنا چاہیے۔ چنانچہ اس کے مطابق ایک نیا مذہب بھی پیدا ہو گیا۔ کچھ لوگ ایسے تھے جنہوں نے تقاضا کیا کہ اخلاقیات، ادب اور مابعد الطبیعیات کو اپنے بنیادی اصول اور جوہر بدل لینے چاہئیں تا کہ وہ اس سائنٹیفک زاویۂ نگاہ کے مطابق ہو جائیں۔

شین نے تو نیوٹن کی مثال دی ہے۔ خود ہمارے زمانے میں جب آئن سٹائن نے نظریۂ اضافیت (RELATIVITY) پیش کیا تو ویسٹر مارک نے کہا تھا کہ اخلاقیات کو بھی اضافی (RELATIVE) ہونا چاہیے، نہ کہ مطلق (ABSOLUTE) بالفاظ دیگر بات یہ کہی گئی کہ خارجی کائنات کے متعلق سائنس کے انکشافات جو تصور پیش کریں، اخلاقی اقدار کو بھی انہی کے مطابق ڈھلتے اور بدلتے رہنا چاہیئے۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی میں، یورپ میں مادہ (MATTER) کے متعلق بڑے وسیع پیمانے پر سائنسی تحقیقات ہوئیں۔ انہی میں نظریۂ ارتقاء (THEORY OF EVOLUTION)

بھی تھا۔ یہ نظریہ اس حد تک تو صحیح تھا کہ زندگی اپنے ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی، اوّلین جرثومہ سے درجہ حیوانات تک پہنچتی ہے۔ لیکن اس کے بعد یہ بھی کہا گیا کہ انسان بھی دیگر حیوانات کی طرح، طبیعی جسم سے عبارت ہے اس فرق کے ساتھ کہ اس کا دماغ، دیگر حیوانات کے مقابلہ میں ذرا بڑا ہے۔ اس لیے اس میں عقل و شعور کی صلاحیت نسبتاً زیادہ ہے اس سے زیادہ انسان اور دیگر حیوانات میں کوئی فرق نہیں۔ اس کی زندگی بھی طبیعی قوانین کے تابع ہے —— یہ بھی عام حیوانات کی طرح، کھاتا پیتا۔ افزائشِ نسل کرتا ہے اور

اس کا سبب

اور اس کے بعد موت اس کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ اس باطل نظریہ کا اثر، انسانی زندگی پر کیا پڑا، یہ چیز قابلِ غور ہے اور موجودہ عالم گیر انسانی تباہیوں کا بنیادی سبب۔

حیوانات کا مقصد اپنے آپ کو زندہ رکھنا ہوتا ہے۔ اس کے لئے انہیں طبیعی سامانِ زیست (کھانے پینے کی چیزوں) کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان ضروریات کے پورا کرنے کے لئے ان کے سامنے جائز اور ناجائز کا کوئی سوال نہیں ہوتا۔ (مثلاً) ایک بھوکا بیل باہر جاتا ہے تو جو کھیت سب سے پہلے اس کے سامنے آتا ہے وہ اس میں سے چرنے لگ جاتا ہے، بلا تمیز اس کے کہ وہ کھیت اس کے مالک کا ہے یا کسی اور کا —— اپنے کھیت اور دوسرے کے کھیت کی یہ تمیز، انسانی سطح کا خاصا ہے۔ حیوانی زندگی میں یہ امتیاز ہوتا ہی نہیں۔ اسی تمیز و تخصیص کو "جائز اور ناجائز" میں فرق کہا جاتا ہے، اور اسے اصطلاح میں قدر یا (VALUE) سے تعبیر کیا جاتا ہے بالفاظِ دیگر اقدار کا تصوّر انسانی سطح کا خاصا ہے۔ حیوانات میں یہ چیز مفقود ہوتی ہے۔ وہ، اقدار کے تصور سے ناآشنا ہوتے ہیں۔

ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ یورپ کی سائنسی تحقیقات نے یہ تصور پیدا کیا کہ انسان بھی دیگر حیوانات کی طرح ایک حیوان ہے۔ اس نظریہ کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ انسان کے سامنے اقدار کا تصوّر نہ رہا۔ اس نے بھی زندگی کا مقصد اپنی طبیعی ضروریات کا پورا کرنا سمجھ لیا، اور بس۔

اقبال کے الفاظ میں ؎

در نگاہش آدمی، آب و گل است کاروانِ زندگی بے منزل است

قرآن کریم نے اس نظریہ کو کفر کہہ کر پکارا ہے، اور اس کا نتیجہ جہنم۔ سورۂ محمدؐ میں ہے:۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ۔ (۴۷/۱۲)

جن لوگوں کا تصوّرِ زندگی حیوانات کی طرح کھانا پینا اور دیگر سامانِ زیست سے متمتع ہونا ہے، اور بس وہ کفر کی زندگی بسر کرتے ہیں اور اس زندگی کا نتیجہ جہنّم ہے۔

اس آیت سے دو اہم نکات سامنے آتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اقدار کا تصوّر، کفر اور اسلام میں مابہ الامتیاز ہے جس

زندگی کا مقصد محض طبیعی ضروریات کا پورا کرنا ہے، وہ کفر کی زندگی ہے اسلام کی زندگی وہ ہے جس میں اقدار کی پابندی مسلکِ حیات ہو۔ اور دوسری بات یہ کہ اقدار کو نظر انداز کر دینے سے جو معاشرہ وجود میں آئے گا۔ وہ عذابِ جہنم میں مبتلا ہوگا ــــ اس دنیا میں بھی، اور آخرت میں بھی ــــ اس دنیا کا جہنم آج ہم سب کے سامنے ہے۔

سیکولرازم اقوامِ مغرب نے اپنے نظامِ سیاست کی بنیاد اس (جدید) نظریۂ حیات پر رکھی۔ اسے سیکولرازم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس میں مطلق اور غیر متبدل اقدار کا تصور نہیں ہوتا۔ اپنی تمدنی زندگی کے لیے معاشرہ جس قسم کے قوانین چاہے مرتب کرے۔ لیکن مارکس اس سے ایک قدم آگے بڑھا اس نے اس حیوانی نظریہ پر اپنے معاشی نظام کی بنیاد رکھی، جسے کمیونزم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس نے کہا کہ اخلاق واقدار کے تمام تصورات، عہدِ پارینہ کی فرسودہ کہانیاں ہیں جو جہالت اور توہم پرستی کی پیدا کردہ ہیں۔ انسان کا سارا مسئلہ روٹی کا ہے ــــ فیور باخ (LUDWIG FEUREBACH) کے الفاظ ہیں:-

MAN IS WHAT HE EATS

یعنی "انسان عبارت ہے اس سے جو کچھ وہ کھاتا ہے"۔ (ESSENCE OF CHRISTIANITY) خود مارکس نے اپنی کتاب (کیپٹل۔ جلد اوّل) میں لکھا کہ:-

> اخلاقیات، مذہب، مابعد الطبیعیات، اور اسی قسم کے دیگر نظریات کا آزادانہ وجود کوئی نہیں ان کی کوئی تاریخ نہیں۔ ان کا کوئی نشو و ارتقاء نہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ انسان اپنی مادی پیداوار اور مادی روابط کی نشوونما کے ساتھ ساتھ، اپنے خیالات، اور ان خیالات سے پیدا شدہ تصورات کو بدلتا رہتا ہے۔ (انہی کا نام عقائد و اخلاقیات اور اقدار ہیں۔)

مارکس کے رفیق اوّل، اینگلز نے کہا کہ:-

> (ہمارے فلسفۂ حیات کی رو سے) دنیا میں کوئی شے حرفِ آخر، مطلق یا مقدس نہیں۔ کائنات کی ہر شے تغیر پذیر ہے اور پیچھے سے آتی ہوئی آگے بڑھتی چلی جاتی ہے۔

اور لینن نے کھلے کھلے الفاظ میں کہہ دیا کہ:-

> ہم ان تمام ضوابطِ اخلاق کو مسترد کرتے ہیں جو کسی مافوق البشر سرچشمہ یا غیر طبقاتی تصور کے پیدا کردہ ہوں۔ ہم اعلانیہ کہتے ہیں کہ اخلاقیات کا اس قسم کا تصور فریب ہے، دھوکا ہے۔ یہ تصور جاگیرداروں اور سرمایہ کاروں کے مفاد کے تحفظ کی خاطر، محنت کشوں اور کاشتکاروں کے دلوں کو تاریکی اور دھند میں رکھنے کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ ...... سرمایہ داروں کا دعوےٰ ہے کہ ان کا ضابطۂ اخلاق، احکامِ خداوندی پر مبنی ہے ہم خدا

وغیرہ کچھ نہیں جانتے۔ ہم اُسے مانتے ہی نہیں .... ہم کسی ابدی صداقت کے قائل نہیں۔ اس قسم کے اخلاق کے متعلق جس قدر افسانے وضع کئے گئے ہیں، ہم ان سب کا پردہ چاک کر کے رکھ دیں گے[1]

مختصر الفاظ میں، کمیونزم نے یہ تصور عام کیا کہ انسان کا سارا مسئلہ روٹی کا ہے اور اس مسئلہ کا حل تمدن و سیاست کا بنیادی اور منفرد فریضہ ہے، خواہ وہ کسی طریق سے ہو۔ کمیونسٹ ممالک میں تو اس تصور کا عام ہونا فطری امر تھا، لیکن کمیونزم کے پراپیگنڈہ کا نتیجہ یہ ہے کہ جو ممالک کمیونزم کے مخالف ہیں، ان میں بھی یہ تصور عام ہو گیا ہے۔ یعنی اس وقت دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں انسانی زندگی کا سارا مسئلہ "روٹی۔ کپڑا اور مکان" نہ قرار پا گیا ہو۔ اس میں کمیونسٹ ممالک اور غیر کمیونسٹ ممالک۔ مسلم مملکتیں اور غیر مسلم مملکتیں۔ مغربی اقوام اور مشرقی اقوام سب شامل ہیں ——— روٹی۔ روٹی۔ روٹی، ہر ایک کی زبان پر ہے۔ اقدار کا لفظ تک کہیں سنائی نہیں دیتا۔ اس اعتبار سے دیکھئے تو مارکس بڑا کامیاب ہے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اس کا پیش کردہ نظریۂ حیات تسلیم اور اختیار کر لیا جائے۔ سو ایسا ساری دنیا میں ہو گیا ہے۔ سعدیؒ نے کہا تھا کہ:

چناں قحط سالے شد اندر دمشق — کہ یاراں فراموش کردند عشق

اُس قحط سالی میں تو معلوم نہیں کہ عشاق نے عشق فراموش کر دیا تھا یا نہیں۔ لیکن ہمارے زمانے نے تو اس حقیقت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ روٹی کے مسئلہ نے اتنی اہمیت حاصل کر لی ہے کہ عالم گیر نوعِ انسانی یکسر اقدار فراموش ہو گئی ہے۔ آج نہ کسی کا روٹی سے بلند کوئی مطالبہ رہ گیا ہے، نہ دعوے کرنے والے روٹی مہیا کرنے کے علاوہ کوئی وعدہ کرتے ہیں۔ سوچئے کہ یہ رشتہ، کمہار اور اس کے گدھے کے رشتے سے ذرا بھی مختلف اور بلند ہے؟

اس میں شبہ نہیں کہ روٹی کا مسئلہ اپنی جگہ بڑا اہم ہے کیونکہ انسان کی طبیعی زندگی کا مدار اس پر ہے لیکن یہ مقصود بالذات نہیں ——— ایک بلند مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اور وہ بلند مقصد ہے غیر متبدل اقدار کا تحفظ۔ اقبالؒ کے الفاظ میں:

نگر خود را بہ چشم محرمانہ — نگاہِ ماست مارا تازیانہ
تلاشِ رزق ازاں دادند مارا — کہ باشد پر کشودن را بہانہ

(ارمغانِ حجاز)

اسی کا مفہوم اس نے اردو شعر میں اس طرح بیان کیا تھا کہ:

---

[1] ان اقتباسات کے حوالوں کے لیے، میرا پمفلٹ اسلامی سوشلزم۔ ملاحظہ فرمائیے۔

اے طائرِ لاہُوتی اس رزق سے موت اچھی　　جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

روٹی کا مسئلہ مقصود بالذات بن جائے تو یہ (قرآن کی رو سے) کافرانہ تصوّرِ حیات ہوگا جس کا نتیجہ جہنم — جس سے انسان، حیوانی سطح زندگی پر اُتر آئے گا جس میں "جنگل کا قانون" مسلکِ حیات قرار پا جائے گا۔ یہی وہ مسلکِ حیات ہے جس سے آج ساری دنیا کی حالت یہ ہو رہی ہے کہ :-

اُمتے بر اُمتے دیگر چرد　　دانہ این می کارد آں حاصل برد

از ضعیفاں ناں ربودن حکمت است　　از تنِ شاں جاں ربودن حکمت است

شیوۂ تہذیبِ نو آدم دری است　　پردۂ آدم دری، سوداگری است (پس چہ باید کرد)

تصریحاتِ بالا سے یہ حقیقت واضح ہے کہ موجودہ عالمگیر تباہی کا بنیادی سبب یہ ہے کہ انسان، حیوانی سطحِ زندگی اختیار کر چکا ہے جس کی وجہ سے بلند انسانی اقدار کا تصوّر گم ہو گیا ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کا احساس خود اقوامِ مغرب کے مفکرین کو بھی ہو رہا ہے۔ لارڈ سنگل (جس کی کتاب کا اقتباس شروع میں پیش کیا جا چکا ہے) موجودہ دَور کی تباہ کاریوں کا تفصیلی تذکرہ کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ :-

> ریب و تشکیک اور اخلاقی اقدار کی شکست کا اندوہناک احساس، انسانی قلوب کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔

اخلاقی اقدار کا ابدی اور غیر متبدل ہونا ضروری ہے۔ اس قسم کی اقدار صرف وحی کی رو سے مل سکتی ہیں۔ اور وحی اپنی منزہ شکل میں آج، اس آسمان کے نیچے، قرآنِ مجید کے سوا کہیں نہیں —— لہٰذا، تباہیوں کے موجودہ جہنم سے نکلنے کے لئے سب سے پہلی شرط، ان اقدار کی صداقت پر یقینِ محکم ہے۔ اسے اصطلاح میں ایمان کہا جاتا ہے۔ ایمان کی اہمیت کس قدر ہے، اس کے لئے مغربی مفکر، الفریڈ کوبن کی یہ شہادت سامنے لایئے کہ :-

> جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ انسان، ایمان کے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہے اسے دورِ حاضر کے نوجوانوں کی حالت کا مطالعہ کرنا چاہیئے جو اس تلاش میں مضطربانہ پھر رہے ہیں کہ کوئی ایسی شے مل جائے جس پر ایمان لایا جائے [1]

ایمان کے لیے انسان کی اس مضطربانہ تلاش کی کیفیت کیا ہے۔ اس کے لیے مغرب کے مشہور فلاسفر پسکال کے یہ الفاظ گہری توجہ کے محتاج ہیں۔ اس نے لکھا ہے :-

---

[1] ان —— حوالوں کے لیے میری کتاب "انسان نے کیا سوچا؟" دیکھئے۔

انسانی ذہن اپنی فطرت سے مجبور ہے کہ وہ کسی نہ کسی چیز پر ایمان رکھے اور اسی طرح انسان کا ارادہ بھی کسی نہ کسی سے محبت کرنے پر مجبور ہے۔ جب اسے ایمان اور محبت کے لئے کام کی باتیں نہیں ملتیں تو وہ بے کار اور خراب مقاصد پر ریجھ جاتا ہے۔ خلا، قدرت کے کارخانے میں محال ہے۔ اور محض مادی دنیا میں نہیں بلکہ اخلاقی اور روحانی دنیا میں بھی خلا ناممکن ہے۔ انسان جب خدا پر ایمان چھوڑ دے تو شیطان کی پرستش کرنے لگ جاتا ہے اور اچھے نصب العینوں سے دست کش ہو جائے تو بُرے راستے اس کو خوش آتے ہیں ...... وہ زندگی جس میں نہ ایمان کی گرمی ہو اور نہ اخلاقی ضابطہ کی کشش، وہ موت سے بھی بدتر ہوتی ہے۔

ہم نے اوپر کہا ہے کہ یہ اقدار، قرآن کریم کے اندر محفوظ ہیں۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ مسلم اقوام ہوں یا غیر مسلم، یہ اقدار کسی کے سامنے بھی نہیں۔ ان سب کے نزدیک، اصل مسئلہ صرف روٹی کا رہ گیا ہے۔ لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ مسلم اقوام میں سے ہر قوم ہی نہیں، ہر فرد اس کا مدعی ہے کہ قرآن پر اس کا ایمان ہے۔ تو پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ مسلم اقوام نے بھی ان اقدار کو چھوڑ کر حیوانی (کافرانہ) زندگی کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ یہ تو کھلا ہوا تضاد ہے! لیکن اس میں کوئی تضاد نہیں ——— اصل یہ ہے کہ جسے ہم عام طور پر "ایمان" کہتے ہیں، وہ درحقیقت ایمان نہیں۔ لفظِ ایمان کا زبان سے ادا کر دینا ہے۔ قرآن کے الفاظ کو زبان سے دہراتے رہنے کا نام ایمان رکھ لینا فریبِ نفس ہے۔ اور ہم سب اسی فریبِ نفس میں مبتلا ہیں ؎

آج کے رانجھے، آج کے مجنوں، سب لفظوں سے کھیلنے والے
بھول گئے محمل والے کو، وردِ زباں ہے، محمل محمل

ایمان کسے کہتے ہیں؟

اس فریبِ نفس کے لئے ہم نے اپنی زبان میں ایک لفظ وضع کر رکھا ہے جو ہماری نگاہ کو حقیقت کی طرف آنے ہی نہیں دیتا۔ جس سے پوچھئے وہ کہہ دے گا کہ میں "خدا کو مانتا ہوں۔ خدا کی کتاب کو مانتا ہوں"۔ ہم نے کبھی سوچا بھی ہے کہ اس "مانتا ہوں" کا مفہوم کیا ہے؟ غور کرنے پر نظر آ جائے گا کہ یہ صرف دو لفظ ہیں جنہیں دہرا دیا جاتا ہے۔ درحقیقت ان سے مقصود و مطلوب کچھ نہیں ہوتا۔ اللہ پر ایمان کے معنی ہیں اس کے احکام کی اطاعت کرنا۔ اور اس کی کتاب پر ایمان کا مطلب ہے اس کے مطابق زندگی بسر کرنا۔ جس ایمان کی شہادت انسان کا عمل نہیں دیتا، اس ایمان کا کچھ فائدہ نہیں۔ سورۂ انعام میں ہے کہ، لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا۔ (6/159) "جس شخص کے ایمان کے ساتھ عملِ خیر شامل نہیں ہوگا، اس کا ایمان اسے کچھ فائدہ نہیں دے گا۔ (آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ کی بحث کا یہ موقع نہیں) اقبالؒ کے الفاظ میں ——— مردہ آں ایمان کہ ناید در عمل ——— سمجھنے کی خاطر یوں

... کے لئے ایمان، کیمسٹری کا ایک فارمولا ہے جس کے مطابق لیبارٹری میں عمل کر کے وہ نتیجہ پیدا کیا جائے گا جس کے لئے وہ فارمولا وضع اور مرتب ہوا تھا۔ اگر آپ اس فارمولا کو سنہری حروف میں لکھ کر حریر و اطلس کے جزدانوں میں لپیٹ رکھیں گے، یا صبح شام اس کے الفاظ کو دہراتے رہیں گے، تو کیا اس سے وہ نتیجہ مرتب ہو جائے گا؟ قیامت تک نہیں ہو گا۔ دعوئ ایمان بلا عمل کی یہی مثال سمجھئے۔ موجودہ مسلم اقوام کے دعوے ایمان کی حالت کیا ہے، اس کے لئے مثالیں تو بہت سی دی جا سکتی ہیں لیکن میں یہاں صرف اس ایک مثال پر اکتفا کروں گا جو اس وقت ہم سب کے سامنے ہے اور جس نے ہمارے سینوں کو چھلنی کر رکھا ہے۔ سورۃ النساء کی یہ آیت کس مسلمان کے سامنے نہیں جس میں کہا گیا ہے کہ:۔

قتل مومن وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا۔ (۴/۹۳)

جس مسلمان نے کسی دوسرے مسلمان کو بالارادہ قتل کر دیا تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ رہے گا۔ اس پر اللہ کا غضب ہو گا اور اس کی لعنت۔ خدا نے اس کے لئے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

ایک مسلمان کے ہاتھ سے دوسرے مسلمان کے انفرادی قتل کو تو چھوڑئیے۔ جو کچھ آج مشرق وسطیٰ میں ہو رہا ہے۔ اور جس میں مسلمان افراد ہی نہیں، مسلمان قومیں ایک دوسرے کے قتل میں مصروف ہیں۔ (اور ظاہر ہے کہ جنگ میں قتل بالارادہ ہوتا ہے) وہ ساری دنیا کے سامنے ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ان، باہمی قتال میں مصروف مسلمان قوموں کا قرآن مجید کی اس آیت پر ایمان ہے؟ میں کہتا ہوں کہ (سارے قرآن کو چھوڑئیے) اگر مسلمان اقوام کا قرآن مجید کی اس ایک آیت پر ہی ایمان ہوتا، تو ہماری تاریخ کا نقشہ کچھ اور ہوتا!

میں اپنے موضوع سے ذرا دور ہٹ جاؤں گا لیکن جب بات سامنے آگئی ہے تو اس پر گفتگو کئے بغیر آگے بڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔ آیت آپ کے سامنے ہے۔ اس کا مطلب اور مفہوم اس قدر واضح ہے کہ اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کی موجودگی میں مسلمانانِ عالم گذشتہ تمام صدیوں میں، ایک دوسرے کے خلاف مصروفِ قتال کیوں رہے؟ کیا ان کے دل میں ذرا سا بھی خدا کا خوف پیدا نہ ہوا؟ کیا وہ خدا کے غضب اور لعنت اور عذابِ عظیم کی طرف سے اس قدر نڈر ہو گئے کہ وہ ہزاروں

سازش لاکھوں کی تعداد میں ایک دوسرے کو قتل کرتے، اور اس پر فخر کرتے رہے، اور کر رہے ہیں۔ اس کا جواب بڑا واضح ہے۔ یہ اُس سازش کی وجہ سے ہوا جسے ہم اپنی تاریخ کے مقدس

نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس تاریخ میں اس قسم کے افسانے وضع کر کے رکھ دیئے گئے کہ رسولؐ اللہ کی وفات کے صرف پچیس چھبیس سال بعد، پوری کی پوری اُمت، جو صحابہؓ کبارؓ اور تابعینؒ پر مشتمل تھی، جنگِ جمل کے میدان میں ایک دوسرے کے بالمقابل صف آراء ہو گئی، اور اس دن بعض روایات کے مطابق دس ہزار، اور بعض کے مطابق تیس ہزار مسلمان ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل ہوئے جن میں اولوالعزم صحابہؓ بھی شامل تھے۔ پھر اس سے اگلے سال، باقی اُمت، صفین کے مقام پر ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما ہو گئی۔ (تاریخ کی رو سے) اس فوج میں ایک طرف، ستر اصحاب بدر، اور بیعتِ رضوان کی سعادت حاصل کردہ سات سو صحابہؓ اور چار سو کے قریب دیگر مہاجر و انصار (صحابہ) شامل تھے ظاہر ہے کہ دوسری طرف بھی ایسی ہی صورت ہو گی۔ یہ سب وہ تھے جن کے متعلق خود خدا نے فرمایا تھا کہ: اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا۔ یہ سب پکے اور سچے، حقیقی مومن تھے۔ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (۸/۷۴) ان کے لیے باعزت رزق اور مغفرت ہے۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ (۹/۱۰۰) اللہ نے ان کے لیے جنت تیار کر رکھی ہے۔ ہماری اس افسانوی تاریخ نے ان سب کو، ایک دوسرے کو قتل کرنے کے لئے میدانِ جنگ میں لا کھڑا کیا۔ اس جنگ میں، روایات کی رو سے، قریب ستر ہزار مسلمان ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ فرمایئے! تاریخ کی اس شہادت کے بعد، اس آیت کا کیا وزن اور اثر باقی رہ جائے گا جس میں کہا گیا ہے کہ جس نے کسی ایک مسلمان کو بھی بالارادہ قتل کر دیا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے؟ بعد میں آنے والوں نے یہ کہہ کر اپنے آپ کو فریب دے لیا کہ جب صحابہ کبارؓ اس آیت کی موجودگی میں، ایک دوسرے کو قتل کرتے رہے، اور بدستور رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے مستحق ٹھہرائے گئے، تو اگر ہم نے، انہی کے اتباع میں، ایک دوسرے کی گردن مار دی تو کونسا جرم ہو گیا؟ اور پھر اس سازش کی ساحری ملاحظہ ہو کہ جو شخص یہ کہہ دے کہ اس قسم کے واقعات، وضعی افسانے ہیں جنہیں خاص مقصد کے تحت ہماری تاریخ میں شامل کر دیا گیا ہے، تو اس پر کفر کے فتوے لگا دیئے جاتے ہیں۔ جنہوں نے پہلے ایسا کہا تھا ان پر بھی کفر کے فتوے لگائے گئے تھے جو آج ایسا کہتے ہیں، ان پر بھی کفر کے فتوے لگتے ہیں ایسا کرنے والے، قرآن مجید کی اُس آیت کو بھی مانتے ہیں جسے میں پہلے درج کر چکا ہوں اور اسے بھی صحیح تسلیم کرتے ہیں کہ ان مسلمانوں نے (جن کے مومنِ حقا ہونے کی شہادت اور مستحقِ جنت ہونے کی بشارت خود خدا نے دی تھی) لاکھوں کی تعداد میں ایک دوسرے کو قتل کیا تھا۔ اسے کہتے ہیں کامیاب سازش!

تاریخ کو چھوڑیئے۔ آپ سوچئے کہ جو مسلمان قومیں آج جنگ کے میدانوں میں ایک دوسرے کا گلا

...رہی ہیں، کیا اُن کے متعلق کہا جائے گا کہ ان کا قرآن مجید کی اس آیت پر ایمان ہے؟ (ضمناً) وہ مسلمان قومیں جو خود تو شریکِ جنگ نہیں، لیکن ان لڑنے والوں کا تماشا دیکھ رہی ہیں۔ وہ بھی یہ کہہ کر اپنے آپ کو فریب نہ دے لیں کہ ہمارا قرآن پر ایمان ہے۔ ہم قتال کے جرم کی مرتکب نہیں ان کے متعلق بھی قرآن کریم میں ایک ارشاد موجود ہے اور وہ یہ کہ:-

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ۔ (۴۹/۹)

اگر مسلمانوں کے کوئی دو گروہ باہمد گر نبرد آزما ہو جائیں تو تمہارا فریضہ ہے کہ تم آگے بڑھ کر ان میں صلح کرا دو۔

جو مسلمان قومیں، مشرقِ وسطیٰ کے لالہ زاروں میں، مسلمانوں کے ہاتھوں دوسرے مسلمانوں کے قتل کو خاموش بیٹھے دیکھ رہی ہیں، انہیں سوچنا چاہیئے کہ کیا اُن کا قرآن مجید کی اس آیت پر ایمان ہے؟

عزیزانِ من! ـــــ میں نے یہ مثالیں، صرف یہ بتانے کے لئے پیش کی ہیں کہ یہ کہہ دینا کہ ہمارا قرآن کریم پر ایمان ہے اور عملاً اس کے خلاف جانا، قرآن پر ایمان نہیں کہلا سکتا۔ لہٰذا آج، اقدارِ خداوندی کو پسِ پشت ڈال کر محض روٹی کے مسئلہ کو مقصدِ حیات قرار دینے والی مسلمان مملکتیں بھی اُسی طوفان میں بہے جا رہی ہیں جن میں دنیا کی غیر مسلم اقوام وقفِ تلاطم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اور ہم سب اس عذاب میں گرفتار ہیں جسے قرآن کریم نے اُس نہجِ زندگی کا فطری نتیجہ قرار دیا تھا۔ جب تک ہم اقدارِ خداوندی کی اہمیت کو سرِفہرست نہیں رکھتے، معاشرہ کی جن تباہ کن خرابیوں کا ہم رونا روتے رہتے ہیں، ان میں کوئی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ جو جی میں آئے کر کے دیکھ لیجئے۔

وہی دیرینہ بیماری، وہی نامحکمی دل کی ‖ علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی

غیر مسلم قومیں تو پھر بھی کہہ سکتی ہیں کہ ہمارے پاس وہ غیر متبدل اقدار نہیں۔ سوچئے کہ مسلمان قومیں اس باب میں کیا کہہ سکتی ہیں؟

استبدالِ قومی

اب میں، عزیزانِ من! ایک قدم آگے بڑھتا ہوں۔ قرآنِ کریم نے اُس قوم سے، جو اقدارِ خداوندی سے اعتراض برتتے، یہ کہا تھا کہ:- وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ۔ (۴۷/۳۸) "اگر تم ان اقدار سے اسی طرح اعراض برتتے رہے، تو تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم لے لے گی جو تمہارے جیسی نہیں ہو گی"۔ یعنی ایسی قومیں جو ناقابلِ اصلاح حد تک پہنچ چکی ہوں۔ ان کا انجام یہ ہوتا ہے کہ کوئی ایسی قوم جو ان سے بہتر ہوتی ہے، انہیں مصافِ زندگی سے الگ کر کے، ان

کی جگہ لے لیتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اصلاحِ احوال کے اس پروگرام پر اسی صورت میں عمل ہو سکتا ہے جب دنیا میں ایسی قومیں موجود ہوں جو اقدار کی میزان میں دوسری قوموں سے بہتر ہوں۔ لیکن موجودہ دور میں تو دنیا کا نقشہ ہی کچھ اور ہے۔ اب تو دنیا کی کوئی قوم بھی ایسی نہیں جس کے ہاں اقدارِ خداوندی کا تصوّر غالب ہو اور وہ اس معیار کے مطابق دوسری اقوام سے بہتر ہو ۔ اس وقت تو کیفیت یہ ہے کہ :-

خاور کے ثوابت ہوں کہ افرنگ کے سیّار
سب اپنے بنائے ہوئے زنداں میں ہیں محبوس

بلکہ اس سے بھی آگے ___ یہ تیرے مومن و کافر تمام زناری ___ میں جب اس حقیقت پر غور کرتا ہوں تو بڑی گہری سوچ میں ڈوب جاتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ ان حالات میں، جبکہ استبدالِ قومی کا یہ پروگرام ناقابلِ عمل نظر آتا ہے، مشیتِ خداوندی نہ جانے نوعِ انسان کی نجات کے لئے اور کونسا طریق اختیار کرے ؟

قرآن کریم میں ایک مقام پر یہ بھی آیا ہے ۔ يَاأَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ (۳۵/۱۵) "اے نوعِ انسان! کان کھول کر سن لو کہ خدا تمہارا محتاج نہیں تم اُس کے محتاج ہو۔ وہ قابلِ حمد و ستائش ذات (تمام کائنات سے) مستغنی ہے"۔ إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ۔ "وہ اپنے قانونِ مشیّت کی رُو سے ایسا بھی کر سکتا ہے کہ تم سب کو لے جائے (چلتا کرے) اور تمہاری جگہ ایک نئی مخلوق لے آئے" وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ۔ (۳۵/۱۵-۱۷) خدا کے لئے ایسا کرنا کچھ بھی مشکل نہیں"۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ موجودہ نسلِ انسانی کو معدوم کر کے، کرۂ ارض پر کوئی نئی مخلوق بسا دے اُس کے لیے ایسا کرنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ لیکن قرائن، اور قرآنِ کریم کے دیگر مقامات سے مترشح ہوتا ہے کہ اس سے موجودہ انسانوں کی جگہ کوئی دوسری مخلوق لے آنا مقصود نہیں بلکہ اسی نوعِ انسانی سے ایسے افراد، گروہ یا قوم پیدا کر دینا ہے جو سیرت و کردار کی رُو سے موجودہ اقوام سے مختلف ہوں۔ اوّل تو اس لیے کہ نسلِ آدم ابھی اپنی بھرپور جوانیوں تک پہنچی ہی نہیں۔ انسان بے پناہ صلاحیتوں کا حامل ہے۔ جن میں سے ہنوز عشرِ عشیر کی بھی نمود نہیں ہوئی۔ علامہ اقبال ؒ نے اس نکتہ کی تشریح مختلف انداز و اسلوب سے کی ہے ایک جگہ کہتے ہیں :-

مہ و ستارہ سے آگے مقام ہے جس کا
وہ مشتِ خاک ابھی آوارگانِ راہ میں ہے

دوسرے مقام پر ہے :-

توڑ ڈالے گی یہی خاک طلسمِ شب و روز
گرچہ اُلجھی ہوئی تقدیر کے پیچاک میں ہے

انسان کا مستقبل

اور پھر ان کے وہ چار مصرعے جن میں انہوں نے اپنے مخصوص شوخ، دلآویز انداز میں حقائق کی ایک دنیا سمٹا کر رکھ دی ہے۔ انسان کے مستقبل کا بڑا حسین

سینہ ہیں۔ کہتے ہیں :ے

یکے در معنئ آدم نگر، از من چہ می پرستی ہنوز اندر طبیعت می خَلد، موزوں شود روزے

چناں موزوں شود این پیش پا افتادہ مضمونے کہ یزداں را دل از تاثیر اُو پُرخوں شود روزے

انسان کی ذات کے ارتقاء کی وسعتیں اور رفعتیں تو ایک طرف، مادی زندگی میں بھی اس کی قوتوں کی نمود کا بھی ابھی آغاز ہوا ہے۔ قرآن کریم نے کہا ہے کہ :

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ (۴۵/۱۳)

اس کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے اسے خدا نے تمہارے لئے تابع تسخیر کر دیا ہے۔ یعنی انسان میں تسخیر کائنات کی صلاحیت رکھ دی گئی ہے۔ ابھی تو ان صلاحیتوں کی نمود کا آغاز ہی ہوا ہے۔ اس پروگرام کی تکمیل میں نمعلوم کتنے قرن درکار ہوں گے۔ باقی رہا اس کی ذات کا ارتقاء سو اس کی وسعتوں کا تو اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اقبالؒ کے الفاظ میں ؂

عرشِ معلیٰ سے کم سینۂ آدم نہیں گرچہ کفِ خاک کی حد ہے سپہر کبود

پیکر نوری کو ہے سجدہ میسر تو کیا اس کو میسّر نہیں، سوز و گدازِ سجود

لہذا، نوع انسان نے کرۂ ارض پر ابھی بے شمار منازل طے کرنی ہیں۔ ابھی تو قرآنی نظام کے متعلق وہ دور آنا ہے جس کے متعلق کہا ہے کہ: لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (۹/۳۳) وہ نظام، انسانوں کے تمام خود ساختہ نظاموں پر غالب آ جائے گا —— یہ اُس زمانے میں ہو گا۔ يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۸۳/۶) ۔ جب عالمگیر انسانیت خدا کے نظامِ ربوبیت کے قیام کے لیے اٹھ کھڑی ہو گی۔ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا ۔ (۳۹/۶۹) زمین اپنے نشوونما دینے والے کے نور سے جگمگا اُٹھے گی۔ یہ يَوْمُ الدِّيْنِ ہو گا یعنی قرآنی نظام کا دور جس کی خصوصیت یہ ہو گی کہ: يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا اس میں کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا دست نگر، محکوم، محتاج یا "دُبیل" نہیں ہو گا۔ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ۔ (۸۲/۱۹) کیونکہ اُس وقت، جملہ امور کے فیصلے قوانینِ خداوندی کی رو سے ہوں گے۔ یہ دَور اسی کرۂ ارض پر، نوعِ انسان کے ہاتھوں رونما ہو گا۔ لہذا خدا کے پروگرام مشیت کے مطابق ایسا نہیں ہو گا کہ اس سے پہلے انسان معدوم ہو جائے۔ جب تک قرآن موجود ہے، انسان معدوم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قرآن نوعِ انسان ہی کی راہ نمائی کے لیے ہے۔ کیا خوبصورت انداز ہے کہنے والے کا جس نے کہا ہے کہ ؂

از صد سخنِ پیرم ایک حرف مرا یاد است عالم نشود ویران تا میکدہ آباد است

ہفتا، (ہمارے علم کی موجودہ سطح کے مطابق) "يَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ" میں خلق جدید سے مراد انسانوں

سے الگ کوئی اور مخلوق نہیں۔ اسی انسان کا، اپنی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما اور نمود، اور اقدارِ خداوندی کے مطابق اپنی داخلی دنیا میں تغیّر کی رو سے، ایک "نیا انسان" بن جانا مقصود ہے۔ لفظ خلق کے معنی "کثرتِ استعمال کے بعد کسی چیز کا صاف اور ہموار ہو جانا، اس میں صحیح صحیح تناسب اور اعتدال پیدا ہو جانا، اس کی مناسب تربیت ہو جانا" بھی ہیں۔ اسی کو عادات و اطوار یا خُلق کہا جاتا ہے اسی اعتبار سے حضورؐ نبی اکرم کے متعلق فرمایا کہ:۔ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۔ (۶۸/۴) "اے رسول! یہ حقیقت ہے کہ تو خلقِ انسانی کے عظیم ترین مقام پر فائز ہے" حضورؐ کی یہی زندگی ہے جسے نوعِ انسان کے لیے اُسوۂ حسنہ قرار دیا گیا ہے۔ (۳۳/۲۱) اسی اسوۂ حسنہ کے اتباع سے، **اسفل سافلین** (انسانیت کی پست ترین سطح پر پہنچا ہوا آج کا انسان) "احسنِ تقویم" کا درخشندہ پیکر بن جائے گا۔ (۹۵/۴-۵) انہی افراد پر مشتمل وہ قوم ہوگی جو بگڑی ہوئی اقوامِ عالم کی جگہ لے گی۔ واضح رہے کہ قرآنِ کریم نے قوموں کی بعثت کے لیے بھی خَلَقَ کا لفظ استعمال کیا ہے سورۂ اعراف میں ہے۔ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۔ (۷/۱۸۱) "وہ لوگ جنہیں ہم نے ایسی قوم بنایا ہے جو لوگوں کی راہ نمائی، الحق (وحی خداوندی) کے مطابق کرتی ہے اور اسی کی رُو سے ان کے اختلافی معاملات کا فیصلہ کرتی ہے"۔ یہی انسان کی وہ خلقِ جدید ہے جسے اقبالؒ آدمِ نو کہہ کر پکارتا ہے۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں خدا کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ:۔

نقشِ دگر طراز دہ، آدمِ پختہ تر بیار — لُعبتِ خاک ساختن، می نہ سزد خدائے را

بلکہ اس سے بھی شوخ تر الفاظ میں کہ:۔

ہو نقش اگر باطل، تکرار سے کیا حاصل — کیا تجھ کو خوش آتی ہے آدم کی یہ ارزانی؟

انہیں اسی آدمِ نو کی نمود کے کچھ کچھ آثار مفکرینِ مغرب کے افکار و تخیلات میں دکھائی دیتے تھے جس کا اظہار انہوں نے، پیامِ مشرق کے دیباچہ میں ان الفاظ میں کیا تھا:۔

"یورپ کی جنگِ عظیم ایک قیامت تھی جس نے پرانی دنیا کے نظام کو قریباً ہر پہلو سے فنا کر دیا ہے اور اب تہذیب و تمدن کی خاکستر سے فطرت زندگی کی گہرائیوں میں ایک نیا آدم اور اس کے رہنے کے لیے ایک نئی دنیا تعمیر کر رہی ہے جس کا دھندلا سا خاکہ ہمیں حکیم آئن سٹائن اور برگسان کی تصانیف میں ملتا ہے۔

آدمِ نو کی تخلیق

آئن سٹائن کے مقابلہ میں، برگسان نے اس موضوع پر زیادہ وضاحت سے لکھا ہے وہ اپنی آخری تصنیف (THE TWO SOURCES OF MORALITY AND RELIGION) میں لکھتا ہے:۔

آج نوعِ انسان، خود اپنی ترقی کے بوجھ کے نیچے دبی کچلی ہوئی مصروفِ آہ و فغاں ہے یہ اس لیے کہ انسان کو اس کا احساس نہیں کہ اس کا مستقبل خود اس کے اپنے ہاتھ میں ہے اس کے لئے سب سے پہلے اس امر کا فیصلہ کرنا ضروری ہے کہ انسان زندہ رہنا چاہتا ہے یا نہیں؟ پھر اس کے بعد یہ کہ انسان محض زندہ ہی رہنا چاہتا ہے یا اس سے آگے بڑھ کر، فریضۂ کائنات کی تکمیل کے لیے بھی جدوجہد کرنے کو تیار ہے فریضۂ کائنات کیا ہے؟ خدائی صفات کے حامل افراد کی تخلیق۔ (ص ۳۶)

آپ اِس اقتباس کے آخری الفاظ پر ایک بار پھر غور کیجئے۔ یعنی فریضۂ کائنات کیا ہے؟ خدائی صفات کے حامل افراد کی تخلیق"۔ کیا یہ قرآنِ کریم کی اس آیت کا گویا ترجمہ نہیں، جس میں کہا گیا ہے کہ: صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۔ (۲/۱۳۸) "خدا کے رنگ میں رنگے ہوئے انسان کہ جس رنگ سے زیادہ حسین کوئی رنگ نہیں"۔

جیسا کہ میں نے متعدد بار کہا ہے، انسان کے ہر تجربہ کی ناکامی، اس کی فکر کا رُخ اُس سمت کی طرف موڑ دیتی ہے جسے قرآن نے انسانی زندگی کا نصب العین قرار دیا ہے۔ قومیں خواہ کتنی ہی بگڑ چکی ہوں، ان میں ایسے افراد ضرور ہوتے ہیں جو زندگی کے حقائق اور صداقت کے متلاشی ہوں اور یہ حقائق اور صداقت قرآن مجید کے سوا کہیں موجود نہیں۔ لہٰذا کوئی زمانہ بھی اس قسم کے افراد سے خالی نہیں ہوتا۔ قرآن زندہ حقائق کا ضابطہ ہے۔ اگر ان حقائق کی جستجو اور تڑپ کہیں نہ رہے تو دنیا میں قرآن کی موجودگی بے معنی ہو جائے۔ ایسا ہو نہیں سکتا ؎

دل ہوں گے، مگر تیری تمنا نہ رہے گی! یہ وقت جب آئے گا، تو دنیا نہ رہے گی

آج ذرائع مواصلات کے عام ہو جانے کی وجہ سے، اس قسم کے افراد ایک دوسرے کے ساتھ فکری رابطہ بھی پیدا کر رہے ہیں جس سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ یہ ایک دن ایک گروپ کی شکل اختیار کر لیں گے۔ یہ ہوگا وہ گروپ جو باقی انسانوں پر تیزی کے ساتھ اثر انداز ہوگا۔ روسی مفکر اوسپنسکی کے استاد (یا گرو) گرجیف کے الفاظ ہیں:۔

انسانیت کا ارتقا ایک مخصوص گروپ کی وساطت سے ہی عمل میں آ سکتا ہے۔ یہ گروپ باقی نوعِ انسانی پر اثر انداز ہوگا اور اس کی راہ نمائی کرے گا۔

(ALL AND EVERYTHING. P. 309)

بات یہاں سے چلی تھی کہ اس وقت دنیا میں کوئی قوم بھی ایسی نہیں جو قرآن کے معیار کے مطابق،

باقی اقوام سے بہتر ہو۔ اس لئے استبدالِ قومی کا طریق توان حالات میں ممکن العمل نہیں۔ اور بات یہاں تک پہنچی کہ اس کے لئے دوسرا طریق یہ ہے کہ انہی اقوام میں سے، انسانی سطح پر زندگی بسر کرنے کے متمنی افراد اپنی جماعت متشکل کریں گے. جو موجودہ اقوام سے بہتر ہو گی۔ یہ جماعت، ایک اُمت کی شکل اختیار کرے گی اور غلط رو قوموں کی جگہ لے لے گی۔ یہی وہ طریق تھا جس کے مطابق صدرِ اوّل میں اصلاحِ انسانیت کی صورت پیدا ہوئی تھی۔ ظہور نبویؐ کے وقت بھی دنیا میں کوئی ایسی قوم موجود نہیں تھی۔ جو قرآنی معیار کے مطابق اپنی ہمعصر اقوام سے بہتر ہو۔ لیکن ایسے افراد موجود تھے جن میں تلاشِ حقیقت کی تڑپ تھی۔ لیکن صحیح راستہ ان کے سامنے نہیں تھا۔ انہیں صحیح راستہ دکھایا گیا تو وہ بکھرے ہوئے افراد، نسل، رنگ، زبان، وطن کی حدود و قیود سے بلند ہو کر، ایک مرکز پر جمع ہو گئے اس طرح وہ امت وجود میں آگئی جسے امتِ وسطیٰ یا خیر اُمتہ کہہ کر پکارا گیا اور اس نے باقی انسانوں کی زندگی پر اثر ڈالا۔ اور اس طرح ان کی صحیح راستے کی طرف راہ نمائی کی۔ یہ اُس دَور کے "آدمِ نو" تھے — باقی نسلِ انسانی سے یکسر مختلف، اگرچہ طبیعی اعتبار سے بشرٌ مثلھم۔ مجھے کچھ ایسا نظر آرہا ہے۔ کہ موجودہ حالات میں، ایک نئی قوم پیدا کرنے کا وہی طریق پھر کارفرما ہو گا۔ اس فرق کے ساتھ کہ اس زمانے میں وہ مرکز، رسولؐ اللہ کی ذاتِ گرامی تھی لیکن اب اس مرکزیت کے لیے کوئی رسولؐ یا مامور من اللہ نہیں ہو گا۔ ختمِ نبوت نے ماموریت من اللہ کا سلسلہ ختم کر دیا۔ اب یہ افراد، باہمی مشاورت سے اپنی مرکزیت آپ قائم کریں گے۔ انسانی شعور اب اتنا بالغ ہو چکا ہے کہ اگر اسے صحیح راستہ مل گیا تو پھر وہ غلط موڑ نہیں مڑے گا۔ لہٰذا اب، کائنات کا یہ بگڑا ہوا نقشہ، قرآنی راہ نمائی کی روشنی میں عام انسانوں ہی کے ہاتھوں صحیح خطوط پر مرتب ہو گا۔ اس کے لیے کسی مامور من اللہ کی ضرورت نہیں ہو گی۔ پولینڈ کے فلاسفر (BERDYAEU) نے اس حقیقت کو اپنے انداز میں اس طرح بیان کیا ہے کہ،

> یہ دنیا ممکنات کی دنیا ہے۔ یہ مکمل شدہ جامد و ساکت نہیں اس میں عملِ تخلیق جاری رہے گا، اور خود انسانوں کے ہاتھوں جاری رہے گا۔ اب انسان کو اپنی ممکنات سے خود پردہ کشائی کرنی ہو گی۔ اور ہر مضمر کو مشہود کر کے دکھانا ہو گا یہ عملِ تخلیق، خدا کی طرف سے انسانوں کی طرف ہی نہیں آتا۔ بلکہ خدا خود انسانوں سے تخلیقی جدتوں کا تقاضا کرتا ہے۔ وہ انسانی آزادی کا منتظر رہتا ہے۔ (THE DIVINE AND THE HUMAN)
> (P.53)

ختمِ نبوت سے یہی مقصود تھا، یعنی، قرآنِ کریم کے الفاظ میں، ان زنجیروں کو توڑ کر جن میں انسان جکڑا ہوا چلا آرہا تھا۔ اور ان کے سر پر سے ان سلوں کو اتار کر جن کے بوجھ

تلے وہ کچلا جا رہا تھا، اسے وہ آزادی عطا کر دیتا جس سے وہ اپنی مضمر صلاحیتوں کی پوری طرح نشوونما کرنے کے قابل ہو سکے۔ یہی وہ آزادی ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اقبال نے کہا تھا کہ؎

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں — کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے

قرآن کے الفاظ میں:۔ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ (۷/۱۷۶) ہم تو چاہتے تھے کہ اسے، قرآن کے ذریعے آسمان کی بلندیوں کی طرف لے جائیں، لیکن یہ اپنے پست جذبات کے پیچھے لگ کر، زمین کی پستیوں کے ساتھ چپک جاتا ہے۔ توقع کی جا سکتی ہے کہ اس نَشْأَةِ ثَانِيَة۔ اس خلقِ جدید سے انسان، اپنی حیوانی زندگی کی خاک پیوندی سے دامن چھڑا کر شرفِ انسانی کی رفعتوں کی طرف گامزن ہو جائے گا۔ قرآن کے باقی اور محفوظ رکھنے سے یہی مقصود تھا۔

ابلیس کا چیلنج

جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے، اس قسم کے افراد ہر زمانے میں موجود ہوتے ہیں۔ ابلیس نے جب خدا کو چیلنج دیا تھا کہ تو نے آدم کو مجھ پر فضیلت تو دے دی ہے لیکن تو دیکھ کہ میں اولادِ آدم کو کس طرح تگنی کا ناچ نچاتا ہوں۔ تو اس کے جواب میں کہا گیا تھا کہ جو تیرے جی میں آئے کر دیکھ۔ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ۔ (۱۷/۶۵) میرے بندوں پر تیرا غلبہ کبھی نہیں ہو سکے گا۔ اس "دام و دد" سے معمور کرۂ ارض کے جنگل میں یہ "عبادی" ہی وہ سعادت بخت انسان ہیں، جنہیں ہم نے "آدمِ نو" سے تعبیر کیا ہے۔ رومی نے اسی قسم کے انسانوں کی تلاش کی جدوجہد کو اس قدر بلیغ اور دلآویز پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ اقبالؒ نے ان اشعار کو، اپنی پہلی تصنیف، اسرارِ خودی کے سرنامہ کے طور پر درج کیا ہے۔ رومی نے کہا ہے کہ؎

دی شیخ با چراغ ہمی گشت گردِ شہر — کز دام و دد ملولم و، انسانم آرزوست
زین ہمرہانِ سست عناصر دلم گرفت — شیرِ خدا و رستمِ دستانم آرزوست
گفتم کہ یافت می نشود، جستہ ایم ما!
گفت آنکہ یافت می نشود، آنم آرزوست

انہی کی تلاش میں خود اقبال بھی عمر بھر مصروفِ تگ و تاز و مشغولِ نے نوازی رہا؎

غزل سرائیم و پیغامِ آشنا گوئیم — بایں بہانہ دریں بزم محرمے جوئیم

تلاش صادق شرط ہے، ڈھونڈنے والے کو یہ افراد مل سکتے ہیں۔ عالمگیر فساد کے زمانے میں، ان افراد کے ربطِ باہمی، اور مناسب تعلیم و تربیت کے لئے، داستانِ بنی اسرائیل میں ہمیں ایک اشارہ ملتا ہے۔ جب وہ فرعونی استبداد کے شکنجے میں جکڑے ہوئے مصر میں غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور

حضرت موسےٰؑ وہاں پیغامِ انقلاب لے کر پہنچے تو آپ سے کہا گیا کہ، وَاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً (۱۰/۸۷)
"ان سے کہو کہ تم اپنے گھروں کو قبلہ بنا لو۔ اور وہاں اپنی تربیت شروع کر دو" ابتداء کار کے لیے یہ چھوٹا سا گروہ، وہ ذرّۂ اولیں (FIRST CRYSTAL) بن جائے گا جس کے گرد اسی قسم کے دیگر افراد مرتکز ہوتے جائیں گے۔ ان میں نصب العین کی وحدت، وجۂ پیوستگی (CONCENTRATING FORCE) ہو گی۔ اس قسم کے گروپ کے متعلق (BRIGHTMAN) لکھتا ہے کہ:۔

> یہ ان آزاد لوگوں پر مشتمل ہو گا۔ جو ایک معقول اور قابلِ قدر نصب العین کے حصول کے لئے باہمی تعاون و تناصر سے کام لیں۔ وہ نصب العین جس کی بنیادیں خدا کے ایمان پر استوار ہوں۔ (A PHILOSOPHY OF RELIGION)

قرآنِ کریم انہی افراد کے متعلق کہتا ہے:۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۳/۱۹۹)

اے وہ لوگو! جو وحدتِ نصب العین کی صداقت پر یقین رکھتے ہو، اگر تم اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب ہونا چاہتے ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ تم میں سے ہر فرد خود بھی ثابت قدم اور مستحکم رہے اور دوسروں کے لئے بھی اسی قسم کے ثبات و استحکام کا ذریعہ بنے۔ اور اس طرح تم سب ربطِ باہمی سے جادۂ ہدایتِ خداوندی پر گامزن رہتے ہوئے آگے بڑھتے جاؤ۔

تحریکِ طلوعِ اسلام

تحریکِ طلوعِ اسلام کا مقصد، عزیزانِ من! اسی قسم کے منتشر افراد کو ایک مرکز پر جمع کرنا ہے۔ وہ افراد جنہیں یہ یقینِ محکم حاصل ہو کہ انسانی مشکلات کا حل، قرآنِ مجید کے سوا کہیں نہیں مل سکتا۔ اب میرا روئے سخن بالخصوص ان احباب کی طرف ہے جو اس مقصد کو دل میں لئے اس تحریک کے ساتھ وابستہ ہو چکے ہیں اور اب اس غرض کے لئے اس اجتماع میں شریک ہوئے ہیں کہ اس تحریک کے فروغ اور اس مقصد کے حصول کے لیے کیا کچھ مزید کیا جائے۔ یہ جذبہ بڑا مبارک اور اس قسم کی کوششیں بڑی مستحسن ہیں۔ لیکن میں اس سلسلہ میں ایک وارننگ نہایت ضروری سمجھتا ہوں۔ قرآن کریم محض فکری وحدت کو کافی قرار نہیں دیتا۔ اس کے نزدیک حقیقی وحدت وہ ہے جو قلوب کی ہم آہنگی سے پیدا ہو۔ جو شخص فطری طور پر اس مقصد کو صحیح سمجھ کر اپنے آپ کو اس رشتہ میں منسلک کرے گا، وہ اس گروپ میں شامل تو ہو جائے گا لیکن صرف اتنے سے وہ کیفیت پیدا

نہیں ہو سکے گی جسے قرآن اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ۔ (۳/۱۰۲) سے تعبیر کرتا ہے۔ یعنی دلوں کا آپس میں جڑ جانا اور ایسا ہونا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک آپ کی فکر، آپ کے احساسات وجذبات کو متاثر اور متحرک نہ کرے۔ یاد رکھیئے! تنہا فکر، عمل کی محرک نہیں ہو سکتی۔ عمل کے محرک، جذبات واحساسات ہوتے ہیں۔ جب مختلف افراد کے جذبات، ایک جیسی فکر سے متاثر ہوں گے تو ان میں وحدتِ کردار وعمل پیدا ہو گی۔ اسی لئے اقبالؒ نے کہا تھا کہ —— وحدتِ افکار کی بے وحدتِ کردار ہے خام —— اس قرآنی حقیقت کی اہمیت کو اب مغربی مفکرین بھی سمجھنے لگے ہیں، حالانکہ اس سے پہلے ان کا سارا زور فکری ہم آہنگی پر ہوتا تھا۔ عصرِ حاضر کے مشہور مؤرّخ تہذیب (J. H. DENISON) نے ایک بلند پایہ کتاب لکھی ہے —— (EMOTION AS THE BASIS OF CIVILISATION) اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ علامہ اقبالؒ جیسے عظیم مفکر نے اپنے چھٹے خطبہ کے شروع اس کتاب کا ایک طویل اقتباس دیا ہے اس کتاب کے مقدمہ میں (GEORGE FOOT MOORE) لکھتا ہے:-

وحدتِ قلبی

> تہذیب کا نشوونما اسی صورت میں ممکن ہے کہ انسانوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد کسی مقصد کے حصول کے لیے جدوجہد کرے۔ اس قسم کا اتحاد، تنہا وحدتِ فکر کی بنا پر ممکن نہیں ہوتا۔ یہ اتحاد وحدتِ جذبات واحساسات سے ممکن ہوتا ہے۔ جن سے انسانی فکر میں جذباتی تحرک پیدا ہوتا ہے اور وہ معتقدات اور مقاصد بن جاتے ہیں۔

میں نے محسوس کیا ہے کہ ہم میں (یعنی جنہوں نے اس تحریک سے وابستگی اختیار کی ہے ان میں) قدرِ مشترک یا وجۂ پیوستگی فکری وحدت ہے، اور ہماری غلط نگہی یہ کہ ہم نے اسی کو کافی سمجھ لیا ہے۔ ہم میں جذبات واحساسات کی وحدت پیدا نہیں ہوئی۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم میں بھی (دوسرے لوگوں کی طرح) اکثر باہمی نزاعات اُبھرتی رہتی ہیں، حالانکہ جذباتی وحدت میں کسی قسم کی نزاع کا پیدا ہونا ممکن نہیں۔ یہ جو قرآنِ کریم نے مومنین کی یہ خصوصیت بیان کی ہے کہ —— بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ (۹/۷۱) وہ ایک دوسرے کے جگری دوست ہوتے ہیں، تو اس قسم کے تعلقات جذباتی وحدت کے بغیر ممکن نہیں۔ محض فکری وحدت سے آپ میں، گھڑی کے پرزوں کی طرح، میکانکی تعاون تو پیدا ہو جائے گا۔ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ کی کیفیت پیدا نہیں ہو گی۔ گھڑی کے پرزے ساری عمر محوِ گردش رہتے ہیں لیکن رہتے ہیں ویسے کے ویسے ہی۔ بلکہ وہ گھس کر ناکارہ ہو جاتے ہیں ان میں کسی قسم کا ارتقاء پیدا نہیں ہوتا۔ فکری وحدت زیادہ سے زیادہ اسی قسم کے نتائج پیدا کر سکتی ہے

انسان کی داخلی دنیا میں تغیر پیدا نہیں کر سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ فکری اشتراک کے باوجود باہمی نزاعات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ باہمی نزاع کی وجہ کیا ہوتی ہے؟ اس کے متعلق مشہور روسی مفکر اوسپنسکی لکھتا ہے کہ:۔

> انسانوں کو ایک دوسرے کے سمجھنے میں غلط فہمیاں اس لئے پیدا ہو جاتی ہیں کہ وہ مختلف جذبات کے ماتحت زندگی بسر کرتے ہیں۔ اگر ان کے جذبات میں ہم آہنگی پیدا ہو جائے تو وہ ایک دوسرے کو بالکل صحیح طور پر سمجھنے لگ جائیں (TERTIUM ORGANUM.P.204)

جذباتی وحدت

وہ اپنے اس نظریہ کی تائید میں کہتا ہے کہ آپ دیکھئے۔ شراب پینے والے ایک دوسرے کے یار ہوتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ شراب ان میں ایک جیسے جذبات پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح بھنگ پینے والے ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں کیونکہ برگِ حشیش ان سب کو ایک ہی قسم کے افلاک کی سیر کراتی ہے۔ لیکن شراب یا بھنگ کے نشے، ایک تو عارضی ہوتے ہیں۔ اور دوسرے ان میں، انسانی فکر معطل اور مسلوب ہو جاتی ہے یہ وجہ ہے کہ جب ان کا نشہ اتر جاتا ہے تو وہ پھر حسبِ سابق ایک دوسرے کے دشمن یا مخالف ہو جاتے ہیں۔ لیکن قرآن کریم، جن جذبات کو وحدتِ فکر کی بنا پر ہم آہنگ کرتا ہے، ان میں یہ نقص نہیں ہوتا ـــــ نہ وہ عارضی ہوتے ہیں۔ اور نہ ہی ان میں فکر مسلوب یا معطل ہوتی ہے۔ بلکہ وہ فکر کو اور جلا دیتے ہیں۔ جن خوش بخت افراد میں اس قسم کی فکر اور جذباتی وحدت پیدا ہو جاتی ہے، قرآن مجید ان کی زندگی کو جنتی زندگی سے تعبیر کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اُس جنتی معاشرہ میں داخل ہونے والوں کی اوّلین خصوصیت یہ ہوگی کہ:۔ وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ۔ (۷/۴۳) ان کے دلوں سے غل نکال دیا جائے گا۔ یہ لفظ (غلّ) ہے تو بہت چھوٹا سا لیکن معانی اور مفہوم کے اعتبار سے یہ بہت وسیع ہے۔ بات سمجھنے کے لئے یوں کہئے کہ ہمارے ہاں اکثر کہا جاتا ہے کہ اس کے دل میں میرے خلاف گرہ بیٹھ گئی ہے جو نکلنے میں ہی نہیں آتی۔ غلّ کے بنیادی معنی اسی قسم کی گرہ سمجھ لیجئے۔ اور اس گرہ سے ایک دوسرے کے خلاف، کینہ، کدورت، حسد، انتقام، عداوت کی جو زہر آلود خباثتیں پیدا ہوتی ہیں

جنتی زندگی

ان سب کو اس میں شامل کر لیجئے۔ یہ ہے مفہوم غلّ سے۔ جنتی معاشرہ کی اوّلین خصوصیت یہ ہے کہ اس میں شامل ہونے والے افراد کے دلوں میں کوئی غلّ نہیں ہوگا۔ اسے جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہی دور کر دیا جائے گا۔ یہ گرہیں کھول دی جائیں گی ـــــ اسی کیفیت کو دوسرے مقام پر ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ، وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ

مُّتَقٰبِلِيْنَ ۔ (۱۵/۴۷) اس کا عام ترجمہ تو یہی ہے کہ "وہ تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے بھائیوں کی طرح بیٹھیں گے"۔ لیکن لفظ سُرُرٍ کا مادہ ——— (س ۔ ر ۔ ر) ہے جس کے بنیادی معنی راز کے ہیں ایک دوسرے کے سامنے (FACE To FACE) وہی بیٹھ سکتے ہیں۔ جن کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف کوئی راز کی بات نہ ہو۔ يُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۔ (۲۵/۷۵) وہ جب ایک دوسرے کو ملیں گے تو زندگی بخش سلامتی کی آرزوؤں کے ساتھ ایک دوسرے کو خوش آمدید کہیں گے۔ یہ وہ جنتی معاشرہ ہوگا جو قرآنی رفقاء پر مشتمل ہوگا۔ اس کے برعکس جہنمی معاشرہ میں کیفیت یہ ہوتی ہے کہ: لَا مَرْحَبًاۢ بِهِمْ (۳۸/۵۹) وہ منافقت اور ریاکاری سے ایک دوسرے سے نہایت خندہ پیشانی سے پیش آتے ہیں لیکن دل سے کبھی خوش آمدید نہیں کہتے۔ وہ ایک دوسرے سے مل کر کبھی خوش نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ ان کے دلوں میں غلّ بھرا ہوتا ہے۔

اس غلّ کے نکالنے میں عزیزانِ من! ایک اور بھی عمیق نکتہ مضمر ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں۔ غلّ کے معنی ہیں دل میں پڑی ہوئی گرہ۔ اور انتزاع کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز کو اکھیڑ کر یا کھینچ کر نکالنا جیسے پھانس نکال دی جائے۔ دورِ حاضر کے جہنمی معاشرہ میں اعصابی بیماریاں عام ہیں۔ ان سے جو اضطرابی کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ ہمارا شب و روز کا تجربہ اور مشاہدہ ہے۔ ان کیفیات کو جسمانی امراض قرار دے کر ان کے بیسیوں علاج سوچے گئے۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی کارگر ثابت نہ ہوا۔ اب ماہرینِ علم النفس (PSYCHOLO-GISTS) اس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ کہ یہ جسمانی امراض ہیں ہی نہیں۔ انسان کے تحت الشعور میں کوئی ایسا راز پیوست ہو جاتا ہے جسے اس کا شعور فراموش کر چکا ہوتا ہے۔ گہرائی میں جا چھپا ہوا یہ راز پھانس کی سی شکل اختیار کر لیتا ہے ——— پھانس یوں تو کچھ بھی نہیں ہوتی لیکن اس کی پیدا کردہ بے چینی اس قدر شدید ہوتی ہے کہ انسان کو لمحہ بھر کے لئے چین نہیں لینے دیتی۔ اب ان، تحت الشعور میں پیوست پھانسوں کا علاج، تجزیہ نفس کی رو سے کیا جاتا ہے۔ اس فن کا ماہر کرتا یہ ہے کہ مریض کے تحت الشعور میں چھپے ہوئے راز کو کسی نہ کسی طرح کھینچ کر باہر لے آتا ہے اور مریض اچھا ہو جاتا ہے۔ یورپ اور امریکہ (بالخصوص امریکہ) میں اب یہ طریقِ علاج زیادہ مقبول ہو رہا ہے۔ اعصابی مریض ہیں بھی زیادہ وہیں۔ ایسا کس کس طریق سے کیا جاتا ہے، میں اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ لیکن ان سب میں ایک قدرِ مشترک ہوتی ہے اور وہ یہ کہ مریض کا اپنے معالج پر کلی اعتماد ہونا چاہیئے۔ یہی اعتماد ہے جس کی بنا پر، یہ معالج اس پھانس کو باہر نکال لیتا ہے۔

اس کے بعد پھر آیئے قرآنِ کریم کی اس آیہ جلیلہ کی طرف جس میں کہا گیا ہے کہ: وَنَزَعْنَا مَا فِيْ

صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ۔ (۷/۴۳) ان کے تحت الشعور میں پیوست پھانسوں کو نکال باہر کیا جائے گا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس جنتی معاشرہ کے افراد میں باہمی اعتماد کی کیفیت یہ ہو گی کہ شعوری راز تو ایک طرف، تحت الشعور میں جاگزیں سرِّ مستور بھی ایک دوسرے سے پوشیدہ نہیں ہوں گے۔ یہ کیفیت ہو گی ان کے شرحِ صدر کی۔

عزیزانِ من! اگر آپ کے باہمی تعلقات کی کیفیت ایسی ہے تو پھر سمجھ لیجئے کہ یہ تعلقات قرآنی رابطہ سے استوار ہیں۔ اگر ایسی کیفیت نہیں تو آپ کا ربطِ باہمی محض فکری اور میکانکی ہے

اس سے میکانکی نتائج تو مرتب ہو سکتے ہیں، قلب ونظر میں ہم آہنگی پیدا نہیں ہو سکتی۔ آپ ٹھنڈے دل سے سوچئے کہ آپ جو قرآنی رابطہ کی بنا پر ایک گروپ بننے کے مدعی ہیں، آپ کا یہ رابطہ کس زمرے میں آتا ہے! ـــــ قلبی یا محض میکانکی؟

مجھے اس کا علم واحساس ہے کہ آپ احباب جو فکری طور پر اس تنظیم سے وابستہ ہوئے ہیں تو آپ نے تقلیداً ایسا نہیں کیا۔ آپ نے پورے غور وخوض کے بعد اپنی سابقہ (غلط) روشوں کو چھوڑ کر علیٰ وجہِ البصیرت اس راستے کو اختیار کیا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ آپ کا ہر قدم یہ آواز دیتا ہے کہ:

حرم کو چھوڑ کے پیرِ حرم کہاں جاؤں   کہ میں تو دیر وکلیسا سے ہو کے آیا ہوں

اس کے باوجود یہ نہایت ضروری ہے کہ آپ اس فکری رابطہ سے مطمئن ہو کر نہ بیٹھ جائیں۔ یہ بھی دیکھیں کہ آپ کی سیرت وکردار میں وہ تبدیلی پیدا ہوئی ہے یا نہیں جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ اگر آپ کے قلوب ایک دوسرے سے جڑ گئے ہیں تو پھر سمجھئے کہ قرآنی رابطہ کا مقصد پورا ہوا ہے، ورنہ نہیں ـــــ لیکن اس کے بعد بھی آپ یہ نہ سمجھ لیجئے گا کہ آپ باقی مسلمانوں سے الگ کوئی ممتاز افراد بن گئے ہیں۔ یاد رکھئے۔ اپنے آپ کو "حقیقی" اور دوسروں کو "پیدائشی" مسلمان سمجھنا، یا اپنے آپ کو صالح اور باقی مسلمانوں کو غیر صالح قرار دینا، انانیت کے نفسیاتی مرض کا مظہر ہے جو احساس کمتری سے پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے جو قرآن کریم نے کہا ہے کہ:۔ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ـــ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى۔ (۵۳/۳۲) "اپنے آپ کو یونہی مزکّیٰ نہ سمجھ لیا کرو۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کون اپنے آپ کو پستیوں میں گرنے سے محفوظ رکھتا ہے۔" اللہ تعالیٰ آپ کو الیغو کے اس قسم کے وساوس سے محفوظ رکھے۔ آپ کی سیرت وکردار کو ایسا ہونا چاہیئے جس سے دنیا خود اندازہ لگا لے کہ آپ کیسے ہیں۔

آپ کی اس تحریک کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ بغیر فرقہ بنائے دین کی طرف دعوت

دیتی ہے۔ یہ انداز سرسید (علیہ الرحمتہ) نے اختیار کیا تھا۔ انہوں نے بھی فرقہ بندی کو خلافِ اسلام قرار

فرقہ بندی نہیں

دے کر اپنا کوئی فرقہ نہیں بنایا تھا۔ لیکن فرقہ پرست اسے کیسے برداشت کر سکتے تھے! وہ جو مشہور ہے کہ کسی نے کُبڑی سے پوچھا کہ تمہارا کُب دور ہو جائے یا سب کبڑے ہو جائیں۔ تو اس نے کہا کہ میں چاہتی ہوں کہ سب کُبڑے ہو جائیں یہی حالت ہمارے فرقہ پرستوں کی ہے۔ سرسید نے ہزار چاہا کہ ان کبڑوں کا کُب ٹھیک ہو جائے لیکن انہوں نے نہ مانا۔ اور اسے بھی کبڑا بنا کر چھوڑا۔ سرسیدؒ نے قوانینِ فطرت (LAWS OF NATURE) کے مطالعہ اور مشاہدہ پر زور دیا تھا۔ انہوں نے اسے "نیچری" کہنا شروع کر دیا۔ اور اس سے نیچریوں کا ایک فرقہ بنا دیا اور خوش ہو گئے کہ ہم نے انہیں بھی اپنے جیسا بنا لیا ہے۔ ان لوگوں نے یہی ٹیکنیک آپ کی تحریک کے سلسلہ میں بھی اختیار کی ہے۔ ہمارے ہاں فرقوں کی باہمی سرپھٹول صدیوں سے چلی آرہی تھی ایک روایت کا حوالہ دے کر (جس میں کہا گیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ بنی اسرائیل میں بہتر فرقے تھے۔ میری اُمت میں تہتر فرقے ہوں گے۔ جن میں سے ایک فرقہ ناجی ہوگا اور باقی سب جہنمی) ہر ایک فرقہ اپنے آپ کو ناجی اور دوسرے فرقوں کو جہنمی ثابت کرنے کے جہاد میں مصروف رہتا تھا۔ طلوعِ اسلام نے پہلی بار یہ آواز بلند کی کہ قرآنِ کریم کی رو سے خود فرقہ سازی شرک ہے۔ اس میں، اس فرقے یا اُس فرقے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس نے ایسا قرآنِ مجید کی نصوصِ صریحہ کی سند کے ساتھ کہا۔ (دیکھئے $\frac{۳۰}{۳۱-۳۲}$) اس کا جواب ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ اس لیے انہوں نے سوچا کہ کیوں نہ انہیں بھی ایک فرقہ بنا دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے عالمِ خیال میں ایک فرقے کا وجود تخلیق کیا اور اسے پرویزی فرقہ کے نام سے مشہور کر دیا۔ اس فرقے کا وجود خارج میں کہیں نہیں، صرف ان کے ذہنوں میں محبوس ہے اور ان کے جھوٹے پروپیگنڈہ کی رو سے مشہور۔ جو لوگ تحریکِ طلوعِ اسلام کی قرآنی فکر سے متاثر یا اس سے وابستہ ہیں، ان کی نہ کوئی الگ مسجد ہے نہ وہ دوسروں سے مختلف کوئی اپنی نماز پڑھتے ہیں۔ نہ ان کے پرسنل لاز علیحدہ ہے۔ وہ ان تمام امور میں امت کے ساتھ ہیں۔ لیکن اس کے باوجود، ہر محراب و منبر سے پرویزی فرقہ، کا چرچا کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جماعتِ اسلامی کے بانی، مودودی صاحب نے جو یہ ارشاد فرما دیا کہ زندگی کی بعض ضرورتوں کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہی نہیں بلکہ شرعاً واجب ہو جاتا ہے، تو اس نے "خدا پرستوں" کے لئے کذب و افترا کے دروازے چوپٹ کھول دئے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ اب، اپنے مخالف کے خلاف، "خدا اور رسول" کے نام پر، ہر قسم کے جھوٹے الزامات تراشے جاتے ہیں اور بجائے اس کے کہ اس کذب بانی پر کسی قسم کی ندامت ہو، اس پر فخر کیا جاتا ہے۔ لیکن

عزیزانِ من! اس سے ہمارا کیا بگڑتا ہے۔ اس دنیا میں یہ خدائی فوجدار، دوسروں کے کفر و ایمان کا فیصلہ کرنے کے لیے لاکھ مسندِ عدالت پر اپنے آپ کو فائز سمجھ لیں، عدالتِ خداوندی میں تو یہ سب، دوسروں کے ساتھ ملزموں کے کٹہرے میں کھڑے ہوں گے۔ وہاں اگر اس "خطاکار" سے سوال ہو گا کہ تم "حسبنا کتاب اللہ" کہتے تھے تو بصد احترام عرض کروں گا کہ ہاں حضور! کہتا تھا ——— اور عمر بھر کہتا رہا!

وفا خطا تھی، خطا میں نے زندگی بھر کی ——— اب اس کے آگے جو مرضی ہو بندہ پرور کی!

لیکن آپ یہ دیکھئے، رفیقان گرامی قدر! کہ ان لوگوں کی طرف سے اس قدر بے پناہ مخالفت، اور آپ کی اس قدر بے سروسامانی کے باوجود، آپ کے مشن کو کامیابی کس قدر ہوئی ہے؟ آپ، تیس سال پہلے کی مذہبی کتابوں کو اٹھا کر دیکھئے۔ اور جن احباب کی عمر زیادہ ہے، وہ اُس زمانے کے وعظوں اور خطبوں کی یاد تازہ کریں۔ آپ کو ان میں، اور تو سب کچھ ملے گا لیکن قرآن کا نام کہیں نظر نہیں آئے گا۔ لیکن آج کیفیت یہ ہے کہ نہ کوئی مذہبی رسالہ ایسا ملے گا نہ کوئی کتاب جس میں قرآنِ مجید کا نام نہ لیا گیا ہو۔ نہ کوئی محراب و منبر ایسا ہو گا جہاں اپنی بات کے ساتھ قرآن کی آیت نہ ضم کی جاتی ہو۔ اور نہ ہی کوئی اسٹیج جہاں اپنے دعوے کی نسبت اس کتاب کی طرف نہ کی جاتی ہو۔ خواہ وہ نسبت یا دلیل غلط ہی کیوں نہ ہو۔ حتیٰ کہ اب تو دبستانِ حکومت اور ایواناتِ پارلیمان تک میں اس کے تذکرے سنائی دینے لگے ہیں۔ سوچئے کہ اتنی بڑی تبدیلی کس کی نواگری کا صدقہ ہے۔ آپ بے نواؤں کی والہانہ کاوشوں کا! اس تبدیلی کی اس سے بھی زیادہ دلچسپ مثال ملاحظہ کیجئے۔ جیسا کہ میں نے ابھی ابھی کہا ہے، ہمارے ہاں ہزار برس سے مذہبی فرقے چلے آرہے تھے۔ طلوع اسلام نے جو نصوصِ قرآنی کی رو سے بتایا کہ فرقہ بندی شرک ہے تو اس کا کوئی جواب ان سے بن نہ پڑا۔ لیکن آپ کی اس بیباکانہ حق گوئی کا اثر یہ ہوا کہ یہ حضرات اپنے آپ کو فرقہ کہنے سے شرمانے لگے۔ چنانچہ اب ان کی طرف سے یہ آواز بلند ہونی شروع ہو گئی ہے کہ یہ فرقے نہیں، مکاتبِ فکر ہیں۔ ہر چند ان کی یہ خود فریبی یا فریب دہی، کھسیانی بلی کے کھمبا نوچنے کے مترادف ہے، لیکن اس سے اتنا تو واضح ہے کہ آپ کی اس پکار سے یہ اپنے آپ کو فرقہ کہنے سے جھینپنے لگے ہیں۔ یہ ہیں آپ کی دعوت الی القرآن کے وہ نتائج جو غیر محسوس طور پر مرتب ہوتے چلے جارہے ہیں۔ آپ کے (یا بالفاظِ صحیح یوں کہئے کہ آپ کی قرآنی آواز کے) خلاف پھیلائی ہوئی تاریکیاں بظاہر بڑی دبیز اور وحشت انگیز نظر آتی ہیں، لیکن آپ کو ان کا کوئی اثر نہیں لینا چاہیئے۔ جھوٹ کے تو پاؤں ہوتے ہی نہیں اس لئے

ظلمتِ شام سے اندازۂ انجام نہ کر! رات کی رات میں انجام بدل سکتا ہے

اس کے بعد دو ایک ضروری تنبیہات۔ مَیں نے آپ سے ایک بار کہا تھا کہ آپ کی صفوں میں ایسے لوگ گھستے چلے جا رہے ہیں جو قرآن کے نام سے خلافِ قرآن خیالات پھیلاتے رہتے اور انہیں منسوب آپ کی طرف کرتے رہتے ہیں۔ میں نے متنبہ کیا تھا کہ آپ احباب ان سے خاص طور پر محتاط رہیں اور انہیں اپنے قریب نہ آنے دیں۔ اب انہوں نے ایک اور انداز اختیار کیا ہے۔ مجھے اکثر ایسے خطوط موصول ہوتے رہتے ہیں، جن میں لکھا ہوتا ہے کہ میں ایک عرصہ سے طلوعِ اسلام۔ ترجمان القرآن یا بلاغ القرآن وغیرہ رسائل کا مطالعہ کرتا چلا آ رہا ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ آپ سب کی دعوت ایک ہی ہے تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ اُن کی مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ میں جواب میں یہ کہا کرتا ہوں کہ اگر آپ واقعی نیک نیتی سے ایسا سمجھتے ہیں تو میرا آپ سے مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ آپ جو جی میں آئے پڑھیئے لیکن طلوعِ اسلام کا مطالعہ کرنے میں اپنا وقت، توانائی اور پیسہ ضائع نہ کریں۔ آپ کی ذہنی سطح اتنی بلند نہیں کہ آپ طلوعِ اسلام کی دعوت کو صحیح طور پر سمجھ سکیں اور اس میں اور مذہبی رسالوں کی دعوت میں فرق کر سکیں۔ میری آپ احباب سے درخواست ہے کہ اگر آپ اپنی صفوں میں ایسے لوگوں کو دیکھیں تو انہیں اپنوں میں سے نہ سمجھیں۔ اگر وہ کسی سازش کے ماتحت ایسا نہیں کہتے، نیک نیتی سے ایسا سمجھتے ہیں، تو وہ بھی غلط فہمیاں پیدا کرنے کا موجب بن جاتے ہیں۔ طلوعِ اسلام کی دعوت منفرد ہے اور کوئی اور دعوت اس کے مماثل نہیں۔ طلوعِ اسلام اس دین کی طرف دعوت دیتا ہے جو عہدِ محمد رسول اللہؐ والذینؓ معہٗ میں نافذ تھا۔ دوسرے گوشوں کی طرف سے، اسلام کے نام پر اُس مذہب کی دعوت دی جا رہی ہے جو ہمارے عہدِ ملوکیت میں وضع ہوا۔ طلوعِ اسلام کی دعوت یہ ہے کہ اسلام، زندہ نظام (الدّین) کی شکل صرف اسلامی مملکت میں اختیار کر سکتا ہے۔ اسلامی مملکت کی عدم موجودگی میں، مذہب ہوتا ہے، دین نہیں ہوتا۔ اسلامی مملکت سے مراد ایسی مملکت ہے۔ جس کا جملہ کاروبار، خدا کی کتاب (قرآن مجید) کی حدود کے اندر رہتے ہوئے سرانجام پائے۔ مذہب میں، قوانینِ شریعت (یعنی فقہی احکام) افراد کے مرتب کردہ ہوتے ہیں۔ خواہ ان کا نام کچھ ہی کیوں نہ رکھ لیا جائے۔ دین میں قانون سازی کا اختیار صرف مملکت کا ہوتا ہے۔ اور اس کے مرتب اور نافذ کردہ قانون کا اطلاق تمام مسلمانوں پر یکساں ہوتا ہے۔ اس طرح اس میں امتِ واحدہ ہوتی ہے۔ فرقوں کا وجود باقی نہیں رہتا۔ اور جب فرقوں کا وجود نہیں رہتا تو مذہبی پیشوائیت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ مذہب سرمایہ داروں کے بل بوتے پر زندہ رہتا اور پنپتا ہے۔ دین میں سرمایہ داری کی جڑیں تک کٹ جاتی ہیں۔ طلوعِ اسلام کی دعوت، موجودہ مذہب اسلام کی جگہ الدّین کو متمکن کرنا ہے یہ تبدیلی اسلامی

مملکت ہی کر سکتی ہے، افراد نہیں۔ لہٰذا طلوعِ اسلام الدّین کی خصوصیات اور امتیازات کو پیش کرتا ہے اُمت جس طرح مذہبی شعار (نماز۔ روزہ وغیرہ) کی پابندی کرتی چلی آرہی ہے، ان میں کسی قسم کی تبدیلی نہ خود کرتا ہے، نہ کسی کو اس کا مجاز سمجھتا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ طلوعِ اسلام کا اپنا کوئی الگ فرقہ نہیں۔ یہ ہے طلوعِ اسلام کی دعوت اور اس کا مسلک۔ اور یہی ہے مجھ بے نوا کی وہ صدا جسے قرآن کے ایک ادنیٰ طالب العلم کی حیثیت سے، قریہ قریہ، بستی بستی، بلند کئے چلا آرہا ہوں ؎

پکارتا ہوا ہر رہگذر پہ نام ترا
پہنچ گیا ہوں کہاں سے کہاں اخدا جانے

گر دلم آئینہ بے جوہر است
در بحرفم غیرِ قرآں مضمر است

پردۂ ناموسِ فکرم چاک کُن
ایں خیاباں را زِ خارم پاک کُن!

گر دُرِ اسرارِ قرآں سُفتہ ام
با مسلماناں اگر حق گفتہ ام

در عمل پائندہ تر گرداں مرا
آبِ نیسانم، گہر گرداں مرا

اسی دعا کے ساتھ میں اپنے اس افتتاحیہ کو ختم کرتا ہوں۔ والسلام علیکم۔

پرویز

دورِ حاضر کے پیدا کردہ خلفشار میں **وہ کونسا دماغ ہے** جس میں اس قسم کے سوالات نہیں ابھرتے کہ۔

- کیا انسان کی قسمت پہلے سے لکھی ہوتی ہے؟ کیا سب کچھ خدا کی مرضی سے ہوتا ہے؟
- کیا غریبوں کی قسمت ہی ایسی ہے کہ وہ ساری عمر دھکے کھاتے رہیں؟ کیا خدا کو ایسا ہی منظور ہے؟
- کیا موت کا ایک دن مقرر ہے، یا وہ آگے پیچھے بھی ہو سکتی ہے؟ • بعض بچے پیدائشی اندھے، لولے لنگڑے کیوں ہوتے ہیں۔ کیا یہ بھی خدا کی مرضی سے ہوتا ہے؟ • اگر خدا کے ہاں عدل ہے تو وہ ظالموں کو ظلم سے کیوں نہیں روکتا؟ • کیا دعا سے تقدیر بدل جاتی ہے۔ اگر نہیں بدلتی تو ہم دعا کیوں کرتے ہیں۔ یہ اور

اس قسم کے دیگر سوالات کا تعلق **مسئلہ تقدیر** سے ہے جس نے انسانی ذہن کو ہمیشہ طلسم پیچ و تاب بنائے رکھا ہے، یہی وہ مسئلہ تھا جسے صحیح طور پر نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے **کارل مارکس** نے کہہ دیا کہ **مذہب عوام کیلئے افیون ہے**

مفکرِ قرآن **علامہ پرویز** نے دنیا کے اس مشکل ترین مسئلہ کو اپنی تازہ تصنیف

کتاب التقدیر

میں قرآنِ کریم کی روشنی میں اس عمدگی سے حل کر دیا ہے کہ اس کے بعد ذہن میں کوئی خلجان باقی نہیں رہتا۔ کتاب بڑے سائز کے چار سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے اور عمدہ سفید کاغذ پر چھاپی گئی ہے جلد مضبوط اور گرد پوش جاذبِ نگاہ۔

قیمت **ساٹھ روپے** (علاوہ محصول ڈاک) **ناظم ادارہ طلوعِ اسلام** (رجسٹرڈ)

حسن عباس رضوی

پاکستان کی نشاۃِ ثانیہ

ارشادِ الٰہی ہے۔

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ - (۷/۱۷۶)

انہیں ان کی داستان سناؤ تاکہ یہ سوچیں کہ ان کا مقام کیا تھا اور اب یہ کس مقام پر کھڑے ہیں۔

زمین خاکِ درِ میخانۂ ما فلک یک گردشِ پیمانۂ ما

حدیثِ سوز و سازِ ما درازاست جہاں دیباچۂ افسانۂ ما

اس حدیثِ سوز و ساز اور افسانۂ دل گداز کا آغاز ذرا پیچھے سے ہوتا ہے۔ جب ہم کتاب تخلیق کے اوراق پیچھے کی طرف الٹتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ آدم نے جب پہلے پہل آنکھ کھولی تو اپنے گرد و پیش ایک نگار خانۂ حیرت دیکھا۔ تاحدِ نظر وسعتِ ارض و سمٰوٰت کی ناپیدا کنار پہنائیوں میں ثمر بداماں اشجار آدم کے استقبال میں فرشِ راہ بنے ہوئے ہیں۔ ان ہوشربا مناظر کو دیکھ کر آدم ششدر رہ گیا۔ اس کی نگۂ تجسس کے سامنے پردۂ حیرت کے سوا کچھ نہ تھا۔ آواز آئی۔ آدم! یہ مقامِ استعجاب و اضطراب نہیں یہ سب کچھ تمہارے قبضۂ تصرف میں ہے۔ یہاں نہ تیری کا سوال، نہ میری کا۔ یہاں نہ کہیں لکیریں کھچی ہوئی پاؤ گے نہ بند بندھے ہوئے۔ ایک حصہ سے دوسرے حصہ میں جانے کے لئے یہاں نہ تو پاسپورٹ کی ضرورت ہے نہ ویزا کی اور نہ ہی کسی اجازت نامہ (PERMIT) کی۔ جہاں جی چاہے بلا روک ٹوک جا سکتے ہو۔

وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا (۲/۳۵)

اور جہاں سے جی چاہے سیر ہو کر کھا سکتے ہو۔

ہبوطِ آدم

آدم اس نعمتِ عظمٰے اور خوشگوار زندگی کو پاکر بارگاہِ الٰہی میں تحمید و تحسین کے نغمے گاتا بات آگے بڑھی۔ خدا نے کہا۔ آدم ہر وقت میرے نام کی مالا جپتا رہتا ہے ذرا یہ تو دیکھا جائے کہ عملی طور پر اس کے دل کے اندر میرے قوانین و احکامات کے احترام کا جذبہ کس قد

موجود ہے۔ برادرانِ عزیز! آپ کے دل میں یہ خیال کروٹیں لے رہا ہوگا کہ آدم کو آزمانے کی کیا ضرورت تھی جب کہ اللہ تعالےٰ کو بحیثیت خالق آدم کی ہر کیفیت کا علم تھا۔ سوال یہ نہیں! بات دراصل یہ تھی کہ اللہ تعالےٰ ایسے واقعات کو تاریخ کے اندر محفوظ کر دینا چاہتا تھا تاکہ آنے والی نسلیں اس سے عبرت حاصل کریں۔ چنانچہ آدم سے کہا۔

لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ (۲/۳۵)

دیکھو اس شجر کے قریب مت جانا مبادا تم مقام بلند سے نیچے گر جاؤ اور ان تمام نعمتوں سے محروم ہو جاؤ جو تمہیں بلا مزد معاوضہ تحفتہً دی گئی ہیں۔

لیکن:

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ۔ (۲۰/۱۲۰)

اس کے دل میں انفرادی مفاد پرستی کے سرکش جذبات نے انگڑائی لی اور وسوسہ شیطانی اور افسونِ ابلیسی کی وجہ سے آدم نے وہی کچھ کیا جس سے اس کو منع کیا گیا تھا۔ اس نافرمانی کا نتیجہ وہی نکلا جس سے اُسے آگاہ کر دیا گیا تھا اور اس طرح اُسے

فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ (۲/۳۶)

اس مقام سے نکال باہر کیا گیا جو اُسے انعام کے طور پر ملا تھا۔

بازآفرینی کی صورت

اس اخراج سے وحدت و اشتراک کی زندگی ختم ہو گئی اور نوبت سر پھٹول یعنی بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ (۲/۳۶) تک آپہنچی۔ یہ کیفیت دیکھ کر آدم کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ چاروں اطراف سے خطرات میں گھرا ہوا ہے اور اس کا کوئی یار و مددگار نہیں۔ وہ اس خوفِ تنہائی سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اپنے کئے پر پشیمان ہوا اور گڑگڑا کر عرض کرنے لگا۔ اے بارِ الٰہا! بازآفرینی کی کوئی صورت ہے؟ آواز آئی۔ کیوں نہیں۔ وہ صورت میں بتا دوں گا۔ پہلے تم یہ بتاؤ کہ تمہاری اس حالت کا ذمہ دار کون ہے؟ آدم نے جواب دیا۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا۔ (۷/۲۳)

اے ہمارے نشوونما دینے والے! اس انحطاط اور محرومی کے ذمہ دار ہم خود ہیں۔

اور پھر التجا کی۔

وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ (۷/۲۳)

اے ہمارے نشوونما دینے والے اگر اس وقت تیری طرف سے ہماری حفاظت اور مرحمت

کا انتظام نہ ہوا تو ہم تباہ و برباد ہو جائیں گے۔
ارشاد ہوا کہ ہلاکت اور بربادی سے مصئون رہنے کی ایک ہی صورت ہو گی اور وہ یہ کہ زندگی قوانینِ الٰہیہ کے تابع بسر کی جائے۔ اس طرح پھر سے اس مقامِ بلند کا اہل ثابت کر دو تو اس میں پھر واپس آجاؤ گے۔ اس کی عملی صورت یہ ہو گی۔

فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (۲/۳۸)

میری طرف سے تمہارے پاس میری ہدایت آئے گی۔ سو جو اس ہدایت کا اتباع کرے گا تو وہ بالکل محفوظ ہو جائے گا۔ اس کے لیے نہ کوئی بیرونی خطرہ ہو گا اور نہ کسی اندرونی خلفشار کا شائبہ۔

اس کے بعد۔

فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ (۲/۳۷)

آدم نے قانونِ الٰہی کو زادِ راہ بنالیا اور اُسی مقام پر لوٹ آیا جس مقام سے اس کا قدم غلط سمت کی طرف اٹھا تھا۔ اس پر اس کا نشوونما دینے والا بھی اس کی طرف لوٹ آیا۔ اس کی رحمت کا یہی تقاضا تھا۔

قانون مکافات

اب کاروانِ انسانیت آگے بڑھا اور اس کی راہ نمائی کے لئے یہ پیمانہ مقرر کر دیا گیا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ (۲۴/۵۵)

اللہ تعالیٰ کا وعدہ (قانون) ہے کہ جو لوگ قانونِ الٰہی پر ایمان لائیں اور اسکی نگہداشت کریں اور صلاحیت بخش کام کریں۔ وہ انہیں خلافتِ ارضی عطا کر دے گا۔

اور اس کے برعکس:۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ۙ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْۤا اَمْثَالَکُمْ (۴۷/۳۸)

اگر قانونِ الٰہی کی نگہداشت نہ کی گئی اور اس سے اعراض برتا گیا تو خدا کا قانونِ استبدال واستخلاف اُس قوم کی جگہ دوسری قوم کو لے آئے گا۔ اور وہ قوم ایسی ہو گی جس کا تہذیب و تمدن بالکل جداگانہ ہو گا اور سابقہ قوم جیسی کوئی چیز اُس میں نہیں ہو گی۔
یہی نہیں کہ نافرمان قوم کی جگہ دوسری قوم لے لیگی بلکہ

فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۔ (۲۰/۱۲۴)
ایسی قوم کی اس دنیا میں معیشت تنگ ہو جائے گی اور قیامت کے دن بھی ایسی قوم کو اندھا یعنی خاسر و نامراد کھڑا کیا جائے گا۔

نافرمان قوم کا انجام

برادرانِ عزیز! تاریخ شاہد ہے کہ جس قوم نے قانونِ الٰہی کا مذاق اڑایا اور اس سے سرکشی برتی اور اس سرکشی میں بڑھتی ہی گئی تو خدا کا قانونِ مکافات اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ اور عصائے کلیمی کی ایک ہی ضرب نے اس فرعون صفت قوم کو صفحہ ہستی سے مٹا کر رکھ دیا۔ اگرچہ ایسی قومیں۔

كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اٰثَارًا فِى الْاَرْضِ ۔ (۴۰/۲۱)
قوت میں بھی بڑھ چڑھ کر تھیں اور انہوں نے زمین سے پیدا ہونے والے سامانِ زیست پر کہیں زیادہ تصرف کر رکھا تھا۔

جب ظہورِ نتائج کا وقت آیا تو ایسی قومیں۔

جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ۔ (۲۱/۱۵)
کٹے ہوئے کھیت اور بجھے ہوئے انگارے کی طرح ہو گئیں۔

وَ بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّ قَصْرٍ مَّشِيْدٍ (۲۲/۴۵)
اُن کی آبادیاں ویرانوں میں تبدیل ہو گئیں۔ ان کے کنوئیں بے کار ہو گئے۔ انکی آبادیاں خاکناؤں میں تبدیل ہو گئیں۔ اور اُن کے فلک بوس محلّات پیوندِ زمین ہو گئے۔

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ (۴۴/۲۹)
اُن کے اس انجام پر نہ تو آسمان کی آنکھ روئی اور نہ ہی زمین نے آنسو بہائے اور نہ ہی اُن کو مہلت دی گئی۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۔ (۲۳/۴۴)
اور تاریخ کے صفحات پر فقط ان کی داستان باقی رہ گئی۔

عذاب کی سب سے مہیب شکل

یہ بیان تھا ان قوموں کا جو صفحۂ ہستی سے بالکل مٹا دی گئیں لیکن اس کے علاوہ عذاب کی اور شکلیں بھی ہیں۔ مثلاً

هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۔ (۶/۶۵)

اللہ کا یہ بھی قانون ہے کہ تمہارے اعمال کی سزا مختلف انداز میں وارد کرے۔ کبھی تم پر تمہیں میں سے ایسے جابر حکمران مسلّط ہو جائیں جو اپنے جور و ستم سے تمہیں روند ڈالیں یا کبھی معاشرہ کے عوام نظام کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں۔ اس طرح نظم و نسق کو تہ و بالا کر دیں یا تم (عوام) کو مختلف فرقوں اور گروہوں میں تقسیم کر دے جس سے یہ پارٹیاں آپس میں سر پھٹول شروع کر دیں۔ یہ ہیں باہمی جنگ وجدل اور انتشار کی وہ مختلف شکلیں جن سے معاشرہ میں فساد برپا ہو جائے۔ اور اس طرح تم سے حکومت وسطوت چھن کر کسی اور قوم کے ہاتھ میں چلی جائے۔

ملک و قوم کی موت

برادران عزیز! ان تینوں صورتوں میں سے سب سے مہیب صورت قوم کا انتشار DISINTEGRATION ہے۔ جب انسان کے "LIFE CELLS" جرثومۂ حیات DISINTEGRATE ہوتے ہیں تو انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب کسی قوم اور ملک کا شیرازہ منتشر ہوتا ہے۔ یعنی اس کی (DISINTEGRATION) ہوتی ہے تو اس قوم اور ملک کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال بنی اسرائیل کی داستان میں ملے گی۔ جب بنی اسرائیل نے نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے قانونِ الٰہی کو پس پشت ڈال دیا تو اس جرم کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اقتدار و اختیار سے محروم کر دیا۔ اور بالآخر

قَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا۔ (۷/۱۶۸)

ان کی مرکزیت ختم ہو گئی۔ اور وہ مختلف پارٹیوں میں بٹ گئے۔

حیاتِ نو

چالیس سال کی طویل مدت کے بنی اسرائیل کی نئی نسل ابھری۔ انہوں نے بحکم الٰہی قُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا۔ (۲/۷۳) کے مطابق قوم کے منتشر ٹکڑوں کو باہم جوڑ کر بصورت ملت قانون الٰہی کو پھر سے تھام لیا اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنے لگے۔ جب اس نئی نسل میں قانون الٰہی کے اتباع سے مطلوبہ صلاحیت پیدا ہو گئی اور خدا کے مقرر کردہ پیمانہ پر پوری اتری تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ اقتدار و اختیار سونپ دیا۔ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى۔ (۲/۷۳)
اس طرح خدا مردہ قوموں کو زندہ کرتا ہے اور اسی اصول کے تحت

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ (۲/۵۶)

اس قوم کو موت کے بعد دوبارہ زندگی ملی تاکہ ان کی محنت ثمربار ہو سکے۔
یہ قوم بنی اسرائیل کی نشاۃِ ثانیہ تھی جس کے ساتھ انہوں نے فردوسِ گم گشتہ کو پھر سے حاصل کر لیا۔

داستانِ پاکستان

قوموں کے محو و ثبات اور تحوّل و تقلب کا یہ سلسلہ آگے بڑھتا رہا۔ اور تاریخ اپنے آپ کو دہراتی رہی۔ اس سلسلۂ استبدال و استخلاف کے تحت ہندوستان کے مسلمانوں کا قافلہ منزل بہ منزل چودہ اگست ۱۹۴۷ء کو ارضِ پاکستان کے اندر آن اترا جیسے ہی یہ قافلہ سرزمینِ پاکستان پر خیمہ زن ہوا۔ تو خدا کا یہ فرمان در و دیوار پر کندہ نظر آیا۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِى الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ (۱۴)

اس خطہ ارض کے اندر اب ہم نے تمہیں قوم سابق کا جانشین بنایا ہے تاکہ یہ دیکھا جائے۔ کہ تم کیا کرتے ہو۔

اب برادرانِ عزیز! ہم ایک اہم اور نازک موڑ پر آپہنچے ہیں جہاں ؎

مجھے آہ و فغانِ نیم شب کا پھر پیام آیا
تھم اے رہرو کہ شاید پھر کوئی مشکل مقام آیا

تصوّرِ پاکستان

یہ مشکل مقام وہ ہے جہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم نے کیا کیا؟ اس سلسلہ میں آگے بڑھنے سے پہلے ہم ذرا پیچھے چلتے ہیں اور بانی پاکستان سے پوچھتے ہیں کہ آپ نے پاکستان کیوں مانگا تھا، اور کس مقصد کے لیے حاصل کیا تھا؟ اس کی وضاحت قائداعظم علیہ الرحمتہ نے مارچ ۱۹۴۰ء میں لاہور کے تاریخی اجلاس میں جس میں پاکستان کا ریزولیوشن پاس ہوا تھا، اپنے خطبہ صدارت میں اس طرح کی :۔

میرے لئے یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ آخر ہمارے ہندو بھائی اسلام اور ہندومت کی حقیقت اور اہمیت کو سمجھنے سے کیوں گریز کر رہے ہیں۔ یہ حقیقت کہ یہ دونوں مذہب نہیں بلکہ ایک دوسرے سے مختلف معاشرتی نظام ہیں اور اس بنا پر متحدہ قومیت ایک ایسا خواب ہے جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ یاد رکھئیے! ہندو اور مسلمان مذہب کے ہر معاملہ میں دو جداگانہ فلسفے رکھتے ہیں۔ دونوں کی معاشرت ایک دوسرے سے مختلف ہے، یہ دو الگ الگ تہذیبوں سے تعلق رکھتے ہیں جن کی بنیادیں متضاد تصورات IDEOLOGY پر ہیں۔

انہوں نے اس نظریہ کی مزید تشریح کرتے ہوئے نومبر ۱۹۴۵ء میں ایڈورڈ کالج پشاور میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

ہم دونوں قوموں میں صرف مذہب کا فرق نہیں۔ ہمارا کلچر ایک دوسرے سے الگ ہے۔ ہمارا دین ہمیں ایک ضابطۂ حیات دیتا ہے۔ جو زندگی کے ہر شعبے میں ہماری راہنمائی کرتا ہے۔ ہم اس ضابطے کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔

س سے پہلے جون ۱۹۴۵ء میں فرنٹیر مسلم سٹوڈنٹس کے نام اپنے پیغام میں کہا۔

پاکستان سے مطلوب یہی نہیں کہ ہم غیر ملکی حکومت سے آزادی چاہتے ہیں۔ اس سے حقیقی مراد مسلم آئیڈیالوجی (IDEOLOGY) ہے جس کا تحفظ نہایت ضروری ہے۔ ہمیں اپنی آزادی حاصل ہی نہیں کرنی ہمیں اس قابل بھی بننا ہے کہ ہم اس کی حفاظت کر سکیں اور اسلامی تصورات اور اصولات کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔

آئینِ پاکستان

اگست ۱۹۴۱ء میں قائداعظمؒ حیدرآباد تشریف لے گئے۔ وہاں عثمانیہ یونیورسٹی کے طالب علموں کے نظریۂ پاکستان کے متعلق اسلامی حکومت کے تصور کی امتیازی خصوصیت کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا۔

اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے۔ جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمان کی۔ نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن حکیم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے اور حکمرانی کے لیے آپ کو لامحالہ علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہے۔

انہوں نے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس ۱۹۴۳ء میں وحدتِ ملی (NATIONAL INTEGRITY) کے متعلق خود ہی سوال اٹھایا کہ

وہ کونسا رشتہ ہے جس میں منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسدِ واحد کی طرح ہیں؟ وہ کون سی چٹان ہے جس پر ملت کی عمارت استوار ہے؟ وہ کون سا لنگر ہے جس سے اس امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے؟

اس کے بعد خود ہی اس سوال کا جواب ان الفاظ میں دیا۔

وہ بندھن، وہ رشتہ، وہ چٹان، وہ لنگر خدا کی کتابِ عظیم قرآنِ حکیم ہے۔ مجھے یقین محکم ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے ہم میں زیادہ سے زیادہ وحدت پیدا ہوتی جائے گی ایک خدا۔ ایک رسول۔ ایک کتاب۔ ایک امت۔

یہ ہے برادرانِ عزیز! قائداعظمؒ کے اپنے الفاظ میں پاکستان کا نظریہ اور مقصد جس کے لیے الگ آزاد مملکت کو حاصل کیا گیا۔ اور یہ ہیں اس قانون کے خط و خال جس کو وہ پاکستان میں نافذ کرنا چاہتے تھے۔

اس طرح یہ بات بھی کسی مزید وضاحت کی محتاج نہ رہی کہ پاکستان ایک نظریاتی ریاست (IDEOLOGICAL STATE) ہے جس کی بنیاد اسلامی نظریۂ حیات (ISLAMIC CONCEPT OF LIFE) بالفاظ دیگر "ISLAMIC IDEOLOGY" پر رکھی گئی تھی اور اسلام وہ نظامِ حیات یعنی "الدین" ہے جس کے بنیادی اصول (BASIC PRINCIPLES) حضور نبئ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے بذریعہ وحی خدا کی طرف سے عطا ہوئے تھے۔ جو اپنی مکمل اور آخری شکل میں قرآنِ حکیم کی دفتین میں موجود ہیں۔

ہمارا رُخِ کردار

اب آیئے اس سوال کی طرف کہ ہم نے کیا کیا؟ ہم نے کیا یہ کہ جس مقصد کیلئے پاکستان حاصل کیا تھا اُس مقصد اور تصور کو کسی اور کی داستان سمجھ کر طاقِ نسیاں پر رکھ دیا۔ جن کے پاس اقتدار تھا، وہ محض اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے کوشاں رہے اور جن کے پاس اقتدار نہیں تھا، وہ ہوسِ اقتدار میں وقفِ پیچ وخم رہے۔ یہ قوم باہمی مخاصمت میں قلعہ بند ہوتی رہی۔ اُدھر پاکستان کی سرحدیں کمزور ہوتی چلی گئیں۔ یہ سلسلہ ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء تک آپہنچا۔ افواجِ ہندوستان کے کمانڈر انچیف جنرل چوہدری نے یہ اعلان کر دیا کہ ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کی شام ہم لاہور جمخانہ کلب میں بیٹھ کر فتح کی خوشی میں جام شراب نوش کریں گے۔ انہوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ پاکستان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے گی۔ اس جنگ کا نقشہ آج بھی سب کے سامنے ہے کہ کس طرح اللہ تعالےٰ نے اپنے خاص فضل ورحمت سے پاکستان کو بچا لیا۔ اور ہمیں ایک اور موقعہ عطا کیا کہ ہم اب بھی سنبھل جائیں۔ اس واقعۂ عظمےٰ کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالےٰ نے ہمیں بڑے مشفقانہ انداز سے کہا۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ج وَاتَّقُوا اللَّهَ ط وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۔ (۵/۱۱)

اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! اللہ کے اُس احسان کو یاد کرو جب تمہاری مخالف قوم تم پر چڑھ دوڑی تھی اور اُس نے یہ تہیہ کر لیا تھا کہ وہ تمہیں صفحہ ہستی سے مٹا کر رکھ دے گی اور تمہارے ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گی لیکن خدا نے تمہاری طرف بڑھنے والا ہاتھ کلائی سے پکڑ کر مروڑ کر رکھ دیا۔ اب ہی تم سنبھل جاؤ اور قانونِ الٰہی کی نگہداشت کرو اور اس کے مطابق اپنا نظام قائم کر لو۔ اگر تم واقعی مومن ہو تو خدا کے قانون کے علاوہ تمہیں کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ کیونکہ وہی تمہارا آخری اور نہ ٹوٹنے والا سہارا ہے۔

لیکن برادرانِ عزیز! ہم پھر بھی نہ سنبھلے۔ اُدھر دشمن فکر وتدبیرِ جنگ میں مصروف رہا۔ اِدھر ہم آسودہ

بے حل ہوکر تختۂ غفلت پر سوتے رہے۔ اُدھر دشمن اپنے نظام اور مملکت کے استحکام اور بقا کے لئے سرگرم عمل رہا۔ اِدھر ہم ان مسائل میں ڈوبے رہے کہ پاکستان میں طرزِ حکومت آمرانہ ہو یا جمہوری، صدارتی ہو یا پارلیمانی۔ اور یہ بھول گئے کہ

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اس کشمکش میں اس تصورِ حیات (IDEOLOGY) اور مقصد کے نقوش دھندلے پڑ گئے جس کے لئے پاکستان حاصل کیا تھا۔ کبھی اسلامی کا سوال اٹھا تو کبھی غیر اسلامی کا۔ کبھی دائیں طرف نگاہیں اٹھیں تو کبھی بائیں طرف کہ کونسا نظام پاکستان کے لیے موزوں رہے گا۔ یہ بات سمجھ میں نہ آسکی کہ غلبہ صرف قانونِ الٰہی کے اتباع سے ہی حاصل ہوگا۔

لادینی و لاطینی کس پیچ میں اُلجھا تو
دارو ہے ضعیفی کا لَاغَالِبَ اِلَّا ھُوْ

اس طرح کئی تحریکیں شعلہ کی طرح اٹھیں اور دھوئیں کی طرح غائب ہو گئیں۔ ان کے پیشِ نظر صرف حصول اقتدار تھا، قانون کا احترام نہ تھا اور قانون بھی وہ جو خدا کا عطا کردہ تھا۔ اس طرح وہ ہوسِ اقتدار کے جہنم صفت شعلوں میں بھسم ہو کر رہ گئیں۔ ان حقائق کو سامنے رکھئے اور اقوامِ سابقہ کی وہ داستانیں سامنے لائیے جو پہلے عرض کی جا چکی ہیں تو آپ بے ساختہ پکار اٹھیں گے کہ نام ان کا ہے، داستان اپنی ہے۔ پاکستان کی تاریخ کے چوبیس سال بھی اس دھارے کا رُخ نہ موڑ سکے۔ ہم نے ایک لمحہ کے لئے بھی رُک کر یہ نہ سوچا کہ ہمارے رُخِ کردار کی سمت کس طرف ہے۔ آخر وہی کچھ ہوا جس کا خدشہ تھا۔ ہمارا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ پاکستان ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اور جو باقی بچ رہا اس کی وہی کیفیت ہو گئی جو قبیلِ آدم کی ہوئی تھی۔ یعنی بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ (۲/۳۶)۔

اِس سلسلہ میں خدا نے ہم سے یہ بھی کہا تھا۔

اپنے ہاتھوں تباہی

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا۔ (۱۶/۹۲)

دیکھو تمہاری حالت اُس بڑھیا جیسی نہ ہو جائے جو تمام دن بمشقت سوت کاتتی رہے اور رات کو خود اپنے ہاتھوں تار تار کر کے بکھیر دے۔

چھبیس سال ہم سوت کاتتے رہے اور چھبیس سال بعد اپنے ہی ہاتھوں اُسے تار تار کر دیا۔ چھبیس سال

اُمید وبیم کی ہنڈیا پکاتے رہے اور آخر کار چوراہے میں پھوڑ کر اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ یہ کیا ہم نے اس ارضِ مقدس کے ساتھ جسے بڑی حسین تمناؤں کے ساتھ حاصل کیا تھا۔ یہ حشر کیا ہم نے اس ملک کا جسے ہم اپنے دکھوں کا مداوا سمجھتے تھے۔

مدت کے بعد اذنِ تبسم ملا ہمیں وہ بھی کچھ ایسا تلخ کہ آنسو نکل پڑے

آنسو اس لئے نکل پڑے کہ ہم نے اُس قوم سے ہزیمت اٹھائی جس قوم کی تاریخ میں فتح کا لفظ تک نہیں ملتا۔ لیکن جس قوم کے ہاتھوں ہم نے ہزیمت اٹھائی اس قوم کے لیڈروں کی نظر میں ہماری تباہی کے جو اسباب ہیں وہ بھی سنیئے۔ پاک بھارت مذاکرات میں بھارتی وفد کے قائد اور وزیراعظم اندرا گاندھی کے پرسنل سیکریٹری مسٹر ہکسر نے پاکستان سے واپسی کے بعد آل انڈیا ریڈیو کو ایک خصوصی انٹرویو دیتے ہوئے پاکستان کے متعلق کہا کہ

> اسلام قیامِ پاکستان کی اساس تھا۔ قیامِ پاکستان کے بعد فوج، سول سروس اور مملکت کے دیگر لوازمات کو مستحکم بنانے کی کوششیں کی گئیں۔ لیکن بنیادی اساس اور اس رشتہ کو جو پاکستان کے مختلف علاقوں کو متحد رکھ سکتا تھا نظر انداز کیا گیا۔ جس کے نتیجہ میں پاکستان کے ٹکڑے ہو گئے۔
>
> (جسارت ، ۷ اگست ۱۹۷۳ء)

بوٹا بوٹا پتہ پتہ حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

مرض اور علاج

لیکن پاکستان کا مسلمان جس نے حصولِ پاکستان کی جدوجہد میں کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا تھا، وہ اپنی محنتوں کے ماحصل اور ملت کے مزرعِ شاداب کو اس طرح پامال ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں۔

نہیں ہے نا اُمید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

وہ نمی کیا ہے؟ قانونِ الٰہی کا احترام۔ اُس کی نگہداشت اور پیروی۔ لہٰذہ نہ مرض نیا ہے، نہ علاج نیا۔

وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی
علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی

مرض وہی ہے جو آدم کو لاحق ہوا تھا یعنی قانونِ الٰہی سے انحراف اور علاج اس کا بھی وہی ہے جو آدم کو تجویز کیا گیا تھا۔ فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (۲/۳۸)

لیکن یہ سب کچھ انفرادی طور پر "ISOLATED" رہ کر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ لَا اِسْلَامَ اِلَّا بِالْجَمَاعَۃِ۔

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

علاج کا واحد طریقہ

ہاں ایسا اس وقت ممکن ہے جب دنیا کے مسلمان جسدِ واحد کی طرح بصورتِ ملت اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ (۳/۱۰۳) کے مصداق، ایک دوسرے میں مدغم ہو جائیں کہ قومیں اوطان سے نہیں تصورِ حیات (IDEOLOGY) سے بنتی ہیں لہٰذا مختلف علاقوں اور خطوں میں رہتے ہوئے بھی مسلمانانِ عالم ایک قوم کے افراد ہیں ھٰذِہٖ اُمَّتُکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً اس لئے کہ اَنَا رَبُّکُمْ (۲۱/۹۲) ان سب کا خدا ایک ہے۔ قوم کی تقسیم خواہ علاقائی بنیادوں پر ہو یا لسانی بنیادوں پر۔ عقیدے کی بنا پر ہو یا طبقاتی، بہرحال یہ ملت کی (DISINTEGRATION) اور مرکزِ ملت سے (DISSOCIATION) یعنی علیحدگی ہے۔

قوموں کے لئے موت ہے مرکز سے جدائی
ہو صاحبِ مرکز تو خودی کیا ہے! خدائی

اس لئے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ (۳/۱۰۳) جب تک مسلمان ان عصبیتوں اور گروہ بندیوں سے پاک ہو کر پھر سے ملت واحدہ بن کر اجتماعی طور پر اپنی تگ و تاز کا محور قانونِ الٰہی کو نہیں بنا لیتے اور ایک مرکز سے وابستہ نہیں ہو جاتے ان کی نشاۃِ ثانیہ اور فردوسِ گم گشتہ کی بازیابی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں کی بازآفرینی کا راز اعتصام بالقرآن اور اس صراطِ مستقیم میں مضمر ہے جس پر محسنِ انسانیت احمد مرسلؐ کے نقوشِ پا جگمگ جگمگ کرتے نظر آرہے ہیں۔ آج سے چودہ سو سال پہلے ایک اُمّی قوم نے حضورؐ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی سربراہی میں قانونِ الٰہی کو اپنایا۔ اور اس کے اتباع سے وہ رفیع الشان مقام حاصل کر لیا جسے دیکھ کر قصرِ ثریا کے مکیں بھی شرمانے لگے۔

برخیز کہ آدم راہنگام نمود آمد　　　　ایں مشتِ غبارے را انجم بسجود آمد

جرأتِ رندانہ کی ضرورت

برادرانِ عزیز! وہ قانون آج بھی اپنی پوری تابناکیوں کے ساتھ قرآن حکیم کے اندر موجود ہے۔ آج بھی اس کے اتباع سے وہی نتائج برآمد ہو سکتے ہیں جسے ماضی کی آنکھ نے دیکھا اور حال دیدہ براہ ہے۔ اس کے نفاذ کے لئے فقط جرأتِ رندانہ اور جستِ قلندرانہ کی ضرورت ہے۔

دلِ مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ ؛ کہ یہی ہے اُمتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

اگر آج بھی آپ اپنے معاملات قرآنِ حکیم کے تابع کرلیں اور ایک قوم بن کر منظرِ عام پر آئیں تو دنیا دیکھے گی کہ ستر کروڑ مسلمانوں کا سیلابِ بے پناہ کس طرح باطل قوتوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جاتا ہے۔ پھر پاکستان ہی کیا دنیا کی امامت آپ کے حصے میں آجائے گی۔ اقوامِ عالم آپ کے پیش کردہ نظام کو اپنانے میں اپنی سعادت سمجھیں گی۔

اٹھا جو مینا بدستِ ساقی، رہی نہ کچھ تابِ ضبط باقی
تمام مے کش پکار اُٹھے یہاں سے پہلے یہاں سے پہلے

طلوع اسلام برادرانِ عزیز! طلوع اسلام پچھلے چالیس برس سے اس فکر کو پیش کرتا چلا آرہا ہے۔ وہ محض تنقید کا قائل نہیں۔ وہ مسلسل مرض کی نشاندہی کرتا چلا آرہا ہے اور اور بیاضِ قرآن سے اس کا علاج بھی پیش کرتا چلا آرہا ہے۔ وہ ہنگامہ آرائی نہیں چاہتا۔ اس کا نہ تو کسی سیاسی پارٹی سے تعلق ہے اور نہ کسی مذہبی فرقہ سے۔ اس کی بے لوث تگ و تاز اور سعئ پیہم کا واحد منتہائے مقصود یہ ہے کہ

لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی
ہاتھ آجائے مجھے میرا مقام اے ساقی

خریدار صاحبان متوجّہ ہوں

خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں۔

۱۔ بسا اوقات ادارہ ہذا کے نام جو منی آرڈر موصول ہوتے ہیں ان کے کوپنز (COUPONS) پر خریدار کا مکمل پتہ نہیں لکھا ہوا ہوتا۔ اس کا خاص خیال رکھا جائے تاکہ تعمیل میں بلاوجہ تاخیر نہ ہو۔

۲۔ پرچہ نہ ملنے کی اطلاع خریدار ماہ رواں کی پندرہ تاریخ تک بھیج دیں۔ اس صورت میں ہی پرچہ دوبارہ ارسال کیا جائے گا۔

۳۔ جواب طلب امور کے لیے جوابی لفافہ ارسال کریں۔

ناظم ادارۂ طلوع اسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طلوع اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کا وثیقۂ وقف بزبان انگریزی اور اس کا رواں اردو ترجمہ بزم ہائے طلوع اسلام کو فرداً فرداً ارسال کیا جا چکا ہے۔ اب انہیں قارئین طلوع اسلام کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ تا کہ وہ بھی طلوع اسلام ٹرسٹ کی ہیئت ترکیبیہ سے آگاہ ہو سکیں۔ اور یہ دستاویز مجلہ طلوع اسلام کے اوراق میں محفوظ بھی ہو جائے۔

TOLU-E-ISLAM TRUST
25-B, GULBERG II, Lahore.

PREAMBLE.

Eversince the sad demise of (Late) Mohtaram Ghulam Ahmad Parwez, the renowned Qur'anic scholar, there has been a fervent consensus amongst all those inspired by the most scientific exposition of the last of Allah's books–the Holy Qur'an–as enunciated by him all along his life; to acquire, collect, preserve and perpetuate his works and to establish a 'Research Library in his memory, for the benefit of the humanity in general and the Muslims in particular.

Now, therefore, for achieving the afore-mentioned objectives, the following persons, here-in-after called the 'TRUSTEES' have decided to create and establish a 'TRUST' by the name and style:-

"TOLU-E-ISLAM TRUST"

here-in-after called the "TRUST", with its headquarters presently at 25-B, Gulberg–2, Lahore-11, Pakistan:-

	NAME	ADDRESS
1.	Miss Zahida Durrani	10, Fazlia Colony, Lahore.
2.	Mohammad Omar Draz	3/2, Faisel Nagar, Multan Road, Lahore–25.
3	Mr. Ata-ur-Rehman Arain	60-C, New Muslim Town, Lahore
4.	Mr. Mohammad Islam	L-281, Sector 11-C/1, Sir Syed Town, North Karachi.
5.	Dr. Mohammad Hayat Malik.	23-C, Peoples Colony, Faisalabad

6. Dr. Mohammad Akram Mirza	Jinnah Colony, Gujrat.
7. Mian Mohammad Iqbal Sarwar.	C/o Shah Sons, Outside Pak Gate, Multan.
8. Khan Sher Afzal Khan.	Sheereen Mahal, 3-B, University Town, Peshawer.
9. Mr. Qadeer Ahmad Khan.	Room No.13, Mission Chowk, Opp. I.G. Office, Quetta.

TRUST DEED.

This trust deed witnesseth as follows:–

1. That the Tolu-e-Islam Trust is hereby established with effect from December 10, 1986 A.D.

2. That all sums donated by the Trustees, shall be deposited in an account to be opened in Habib Bank Ltd., Main Market Branch, Gulberg, Lahore, in the name of the Trust.

3. That the Trust shall be a "DEENI CHARITABLE TRUST" for achieving the aims and objectives described in 'Appendix A' to this deed and as such shall be dedicated to the task of 'Continuation and Enhancement of Qur'anic Research' initiated by (Late) Mohtaram Ghulam Ahmad Parwez, through 'Re-production and Circulation' of his existing works and 'Inspiring and Facilitating' research work elaborating his writings.

4.1 That the 'Trustees', here-in-fore mentioned and those co-opted lateron under Article 5.4, if any, shall constitute the 'Board of Trustees'.

4.2 That Miss Zahida Durrani shall be the first 'Executive Head' of the 'Board of Trustees'.

4.3 The 'Executive Head' shall, in consultation with other 'Trustees', run and administer the 'Trust' for the purposes set out above and may purchase, sell, acquire, hold, hire, let-out on rent, mortgage—and enter into written agreement(s) for management and/or arrangement(s) for publishing and/or printing of any one or more of the books whose rights vest in the 'Trust'.

5.1 That the 'Executive Head' shall be succeeded by one of the 'Trustees' mentioned in Article 4.1 on his/her death, voluntary resignation or physical disability, in the order of precedence mentioned in the list of 'Trustees' in the preamble and complemented later under Article 5.4.

5.2 That in the event of death, disability or refusal of the 'Trustee' eligible to succeed the 'Executive Head', the 'Trustee' next on the list shall become the 'Executive Head'.

5.3 That the senior most 'Trustee' appearing in the list next to the 'Executive Head' shall act as 'Vice Executive Head' of the 'Trust' and shall normally assist the 'Executive Head' and, take over his/her duties in case of his/her temporary absence or disability.

5.4 That in case of resignation, death or disability of any one or more of the existing 'Trustees', the surviving 'Trustees' shall fill the vacancy(s) by unanimously agreeing to co-opt a new 'Trustee'(s). The new 'Trustee'(s) shall always be placed at the bottom of the list of 'Trustees'.

6. That the 'Executive Head' or 'Trustees' shall not draw any salary or subsistence allowance from the 'Trust'.

7. That all accounts of the 'Trust' shall be kept in proper order as required by Law and shall be audited every year by auditors of repute to be appointed by the 'Board of Trustees' in their discretion.

8.1 That the 'Board of Trustees' shall not be answerable or responsible to any one other than the 'Board' themselves or to the authorities as and when required by law.

8.2 That the 'Trust' shall be a 'Corpus Sole' and 'Legal Person' with a common seal for all times to come.

9. That if any person, who is sympathetic to the cause of the 'Trust' or who voluntarily desires promotion of the 'aims and objectives' of the 'Trust', makes or offers to make a donation(s), it may be accepted without any strings, entirely at the discretion of the 'Executive Head'; never–the–less any such donation shall not change or tend to change the 'aims and

objectives' of the 'Trust' or its working structure.

10. That the presents of this 'Trust' are inviolable and perpetual.

11. That the 'Trust' may, at any time affiliate with it organisations like Tolu-e-Islam Bazms, subscribed to its 'aims and objectives'.

12. That the 'Executive Head', in consultation with other 'Trustees', may frame such rules and prescribe such procedures and appoint such persons as may be necessary for conducting the functions of the 'Trust'.

13. That in an unlikely event when the continuation of the 'Trust' becomes impossible, impracticable or un-permissible by Law, the 'Trust' shall be wound up and its assets, after meeting its liabilities, if any, shall be employed in the following manner:

    a) All published books on charge of the 'Trust' be donated to the libraries managed and run by Tolu-e-Islam Bazms.

    b) All other assets be sold and proceeds thereof donated to the hospitals and/or educational institutions managed and run by Tolu-e-Islam Bazms.

IN WITNESS WHEREOF the 'Trustees' have signed this deed on 10th day of December 1986:–

EXECUTANTS.

1. Miss Zahida Durrani D/O
   Mr. Mohammad Ahmad Khan Durrani.

2. Mohammad Omar Draz S/O
   (Late) Ch: Khair-ud-Din Khan

3. Mr. Ata-ur-Rehman Arain S/O
   (Late) Ch: Abdur-Rehman

4. Mr. Mohammad Islam S/O
   (Late) Mr. Mohammad Bashir

5. Dr. Mohammad Hayat Malik S/O
   Malik Mohammad Ibrahim

6. Dr. Mohammad Akram Mirza S/O
   Haji Mian Mohammad Hussain

7. Mian Mohammad Iqbal Sarwar S/O
   Mian Shah Mohammad

8. Khan Sher Afzal Khan S/O
   Mr. Abdul Majeed

9. Mr. Qadeer Ahmad Khan S/O
   Mr. Javed Ali Khan

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طلوعِ اسلام ٹرسٹ

۲۵۔ بی، گلبرگ۔ ۲، لاہور ۱۱

تمہید

قرآنی علوم کے شہرۂ آفاق سکالر، محترم غلام احمد پرویزؒ کے انتقالِ پر ملال کے بعد سے اُن تمام اصحاب کی، جنہوں نے مرحوم کی پیش کردہ فکرِ قرآنی سے اکتسابِ ضیا کیا ہے ۔ یہ انتہائی خواہش رہی ہے کہ قرآنِ حکیم کی جوکہ اللہ تعالیٰ کے جملہ قوانین واحکامات اور فرامین وہدایات پر محیط آخری کتاب ہے ۔ علم وعقل سے مربُوط، اسرار و رموز کی ماہرانہ تعبیر پر مبنی، محترم غلام احمد پرویزؒ کی تمام تحریروں کلیات اور فکر وکاوش کے شہ پاروں کو جو اُن کی زندگی بھر کی متاع ہیں ۔ یکجا کر کے محفوظ کرنے اور "**پرویز میموریل لائبریری**" کے قیام کا اہتمام کیا جائے ۔ تاکہ بنی نوعِ انسان بالعموم اور امتِ مسلمہ بالخصوص ان سے استفادہ حاصل کر سکیں ۔

چنانچہ متذکرہ صدر مقاصد کے حصول کی خاطر، مندرجہ ذیل اصحاب جو اس سے آگے : TRUSTEES (اراکینِ ٹرسٹ) کہلائیں گے ، نے انتہائی غور وخوض کے بعد ایک ٹرسٹ (TRUST) کے قیام کا فیصلہ کیا ہے ، جس کا نام **طلوعِ اسلام ٹرسٹ** ہوگا اور متنِ وثیقہ میں جس کا ذکر 'ٹرسٹ' کے الفاظ سے کیا جائے گا اور جس کا حالیہ صدر دفتر ۲۵۔ بی، گلبرگ نمبر۲، لاہور ۱۱ میں ہوگا ۔

۱۔ محترمہ زاہدہ دُرّانی	۱۰۔ فاضلیہ کالونی، لاہور
۲۔ جناب محمد عمر دراز	۳/۲ فیصل نگر، ملتان روڈ، لاہور
۳۔ جناب عطاء الرحمٰن ارائیں	۶۰ سی۔ نیو مسلم ٹاؤن، لاہور
۴۔ جناب محمد اسلام	۲۸۱ L، سیکٹر ۱/C ۔ ۱۱، سرسید ٹاؤن نارتھ کراچی
۵۔ جناب ڈاکٹر محمد حیات ملک	۲۳ سی۔ پیپلز کالونی، فیصل آباد
۶۔ جناب ڈاکٹر محمد اکرم مرزا	جناح کالونی، گجرات
۷۔ جناب میاں محمد اقبال سرور	معرفت شاہ سنز، بیرون پاک گیٹ، ملتان

۸۔ خان شیر افضل خان　　شیریں محل، ۳۔ بی، یونیورسٹی ٹاؤن، پشاور

۹۔ جناب قدیر احمد خان　　کمرہ نمبر ۱۳، مشن چوک بالمقابل I.G OFFICE کوئٹہ۔

وثیقۂ وقف: 'TRUST DEED'

یہ وثیقۂ وقف مندرجہ ذیل امور پر محیط ہوگا :۔

۱۔ طلوعِ اسلام ٹرسٹ ۱۰ دسمبر ۱۹۸۶ء کو قائم کیا جاتا ہے۔

۲۔ ایسی تمام رقوم جو ٹرسٹ کے اراکین نے بطور عطیہ پیش کی ہیں، حبیب بنک لمیٹڈ، گلبرگ مین مارکیٹ شاخ میں، ٹرسٹ کے نام سے کھلنے والے حساب میں جمع کرادی جائیں گی۔

۳۔ یہ ٹرسٹ ایک دینی، مجلسِ یاتی ادارہ ہوگا۔ جو اس وثیقہ سے منسلک دستاویز 'ا' میں مذکور مقاصد و اہداف کے حصول اور اس تحقیق علومِ قرآنی کے تسلسل و فروغ کے لئے وقف رہیگا۔ جس کی طرح محترم جناب غلام احمد پرویز رح نے اپنی زندگی میں ڈالی تھی۔ اس ذمہ داری کو 'ٹرسٹ' محترم پرویز رح صاحب کی تمام مطبوعہ کتابوں اور لٹریچر کی مسلسل طباعت اور اشاعت اور غیر مطبوعہ مسودات کی طباعت اور اشاعت اور ان کے علمی شہ پاروں پر تحقیق و تقدم کی ترویج و تشجیع کے ذریعہ پوری کرے گا۔

۴.۱۔ ٹرسٹ بورڈ مندرجہ ذیل اصحاب سے تشکیل پائے گا:۔

(ا) وہ تمام اراکین ٹرسٹ جن کے اسماء تمہید میں مذکور ہیں۔

(ب) ایسے اراکین جو مستقبل میں آرٹیکل ۵.۴ کے تحت منتخب ہوں۔

۴.۲۔ محترمہ زاہدہ دُرّانی، اس بورڈ کی اوّلیں انتظامی سربراہ، (EXECUTIVE HEAD) ہوں گی۔

۴.۳۔ 'انتظامی سربراہ'، ٹرسٹ کا جملہ کاروبار اور انتظامی امورِ ٹرسٹ کے دیگر اراکین کے مشورہ سے سرانجام دیں گے۔ مثلاً اشیاء داملاک کی خرید و فروخت، ان کا حصول اور قبضہ میں رکھنا، عارضی یا مستقل [redacted]ال کے لئے اُجرت پر لینا یا دینا اور جن کتابوں کے حقوقِ اشاعت اسے حاصل ہوں۔ ان میں سے کسی ایک یا زیادہ کو اشاعت یا انتظام کی غرض سے کسی دوسری تنظیم کے سپرد کرنے کے معاہدات،

۵.۱ 'انتظامی سربراہ' کی وفات، رضاکارانہ استعفیٰ یا جسمانی معذوری کی صورت میں، تمہید میں مذکور فہرست اور آرٹیکل ۵.۴ کے تحت مستقبل میں منتخب ہونے والے اراکین میں سے سب سے سینیئر رکن 'انتظامی سربراہ' کے عہدہ پر فائز ہوگا۔

۵۰۲۔ آرٹیکل ۵۰۱ کے تحت 'انتظامی سربراہ' کے عہدہ پہ فائز ہونے والا رکن اگر ذمہ داریاں سنبھالنے سے معذرت کر دے تو متذکرہ فہرست کے مطابق اگلا رکن 'انتظامی سربراہ' بن جائے گا۔

۵۰۳۔ متذکرہ فہرست کے مطابق 'انتظامی سربراہ' کے نام کے بعد مذکور رکن 'معاون انتظامی سربراہ' ہوگا اور عام حالات میں 'انتظامی سربراہ' کی معاونت کرے گا لیکن اس کی عارضی غیر حاضری یا معذوری کی صورت میں 'انتظامی سربراہ' کی ذمہ داریاں نبھائے گا۔

۵۰۴۔ کسی ایک یا ایک سے زیادہ 'اراکین ٹرسٹ' کے استعفیٰ، وفات یا جسمانی معذوری کی صورت میں بقیہ اراکین ٹرسٹ متفقہ طور پہ، اس خالی اسامی کو نئے رکن/اراکین کے انتخاب سے پر کریں گے جس کے لئے اراکین کا سو فیصد اتفاق رائے ضروری ہوگا۔ ایسے رکن یا اراکین کے نام ہمیشہ فہرست میں حالیہ اراکین کے اسماء کے بعد آئیں گے۔

۶۔ ٹرسٹ کے اراکین، انتظامی سربراہ سمیت، کسی تنخواہ یا الاؤنس کے مجاز نہیں ہوں گے۔

۷۔ ٹرسٹ کے تمام حسابات، قانونِ مروجہ کے مطابق، صحیح حالت میں رکھے جائیں گے اور ہر سال 'ٹرسٹ بورڈ' کے مقرر کردہ اچھی شہرت رکھنے والے مصدقہ آڈیٹروں سے پڑتال کرائے جائیں گے۔

۸۰۱۔ 'ٹرسٹ بورڈ' اپنے علاوہ یا کسی مجاز اتھارٹی کے علاوہ کسی اور کے سامنے جواب دہ نہیں ہوگا۔

۸۰۲۔ 'ٹرسٹ' کی حیثیت ایک 'جسدِ واحد' کی ہے۔ یہ قانونی طور پہ متشخص ادارہ ہے اور دائماً ایک ہی 'علامت' سے متعارف ہوگا۔

۹۔ اگر کوئی شخص یا اشخاص ٹرسٹ کے اغراض و مقاصد سے متجانس ہو۔ (یعنی ان سے ہمدردی رکھتا ہو) اور اسکے پیش نظر تقدم و ترقی کی غرض سے عطیہ دینا چاہے اور ایسا بطیبِ خاطر کرے تو ایسے عطیات خالصۃً 'انتظامی سربراہ' کی صوابدید پہ بلا شرط قبول کئے جا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ان سے ٹرسٹ کے اغراض و مقاصد اور انتظامی امور میں کسی قسم کی تبدیلی یا خلل پیدا کرنے یا ہونے کا قطعی طور پر کوئی احتمال نہ ہو۔

۱۰۔ **وثیقۂ وقف** (TRUST DEED) کے مشمولات غیر متبدل اور دائمی ہیں۔

۱۱۔ ٹرسٹ، کسی وقت بھی، بزمہائے طلوعِ اسلام جیسی کسی تنظیم کا، جس کے اغراض و مقاصد ٹرسٹ کے اغراض و مقاصد سے ہم آہنگ ہوں۔ اپنے ساتھ الحاق کر سکتا ہے۔

۱۲۔ 'انتظامی سربراہ'، دیگر اراکینِ ٹرسٹ کی تصویب سے ٹرسٹ کا کاروبار چلانے کے لئے ضروری قواعد و ضوابط اور طریق کار وضع کر سکتا ہے اور کسی ایسے شخص یا اشخاص کا تقرر کر سکتا ہے۔ جس کی تقرری ٹرسٹ کے مفوضہ فرائض کو بطریقِ احسن سرانجام دینے کے لئے ضروری ہو۔

۱۳۔ اگر خدانخواستہ کسی وقت ٹرسٹ کا جاری رہنا ناقابلِ عمل ہو جائے۔ یا قانونی طور پہ اس کا وجود قائم نہ

رہ سکتا ہو۔ تو ایسی صورت میں ٹرسٹ ختم کر دیا جائے گا اور اس کے ذمّہ واجبات ادا کرنے کے بعد اس کے تمام اثاثے مندرجہ ذیل طریقہ پر صرف کر دیئے جائیں گے :۔

(ا) ٹرسٹ کی ملکیت تمام مطبوعہ کتابیں، ان لائبریریوں میں تقسیم کر دی جائیں گی جنہیں بزم ہائے طلوعِ اسلام چلا رہی ہوں۔

(ب) تمام دیگر اثاثے فروخت کر کے ان سے حاصل شدہ رقم ان ہسپتالوں اور تعلیمی اداروں میں تقسیم کر دی جائے گی۔ جنہیں بزم ہائے طلوعِ اسلام چلا رہی ہوں۔

اس وثیقہ کی تائید و تصدیق کے طور پر اراکینِ ٹرسٹ نے ۱۰؍ دسمبر ۱۹۸۶ء کو اس پر اپنے دستخط ثبت کر دیئے ہیں۔

وثیقہ ہذا کے تکمیل کنندگان :۔

۱۔ محترمہ زاہدہ دُرّانی بنت جناب محمد احمد خان دُرّانی (مرحوم)
۲۔ محمد عمر دراز خلف چوہدری خیر الدین خان (مرحوم)
۳۔ عطاء الرحمٰن ارائیں خلف چوہدری عبدالرحمٰن (مرحوم)
۴۔ محمد اسلام خلف جناب محمد بشیر (مرحوم)
۵۔ ڈاکٹر محمد حیات ملک خلف ملک محمد ابراہیم۔ (مرحوم)
۶۔ ڈاکٹر محمد اکرم مرزا خلف حاجی میاں محمد حسین۔ (مرحوم)
۷۔ میاں محمد اقبال سرور خلف میاں شاہ محمد۔
۸۔ خان شبیر افضل خاں خلف جناب عبدالمجید
۹۔ قدیر احمد خان خلف جناب جاوید علی خان

اراکینِ طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ شکر بجا لاتے ہیں۔ کہ اُس نے انہیں یہ سعادت بخشی کہ وہ اُس کی کتابِ عظیم کی خدمت کر سکیں اور دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس عظیم ذمہ داری کو پورا کرنے کی ہمت و توفیق دے۔

ثریّا عندلیب

دین کی باتیں

گذشتہ سے پیوستہ

۱۔ قرآن کے مطالب و مقاصد کو سمجھا نہیں جا سکتا۔ تاوقتیکہ خالی الذہن ہو کر اس کی طرف نہ آئیں اگر آپ خود ساختہ خیالات کے ساتھ قرآن کی طرف آتے ہیں تو آپ قرآن سمجھتے ہوئے اسے اپنے خیالات کے تابع رکھنا چاہتے ہیں۔ قرآن سمجھا اس وقت جائے گا جب پہلے لاالٰہ اختیار کیا جائے گا۔ یہ ہے تطہیر قلب و دماغ۔ اس کے بعد الااللہ کی منزل ملے گی۔

۲۔ خدا کا رنگ اسی وقت چڑھ جائے گا جب پہلے دماغ رنگین نہ ہو۔

۳۔ جب آپ کسی فرقے سے متعلق ہو جائیں گے تو قیامت تک قرآن آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ فرقے کے معتقدات پلّے بندھے ہوں تو قرآن کسطرح سمجھ میں آئے! بس مصرف یہ رہ گیا کہ قرآن تلاوت کرنے سے یعنی اس کے الفاظ زبان سے ادا کر لینے سے ثواب ہوتا ہے۔ کچھ اپنے پاس رکھ لو تو کچھ پارسل کر کے مُردوں کو بھیج دو۔

۴۔ کوئی ایسی چیز جو غیر متبدل ہے، ایسی نہیں جو قرآن کے اندر نہ آئی ہو اور جو چیز غیر متبدل نہیں وہ قرآن کے اندر ہے نہیں۔

۵۔ قرآن کریم کا منشاء انسان کو زیادہ سے زیادہ آزادی دینا اور اس پر کم سے کم پابندی عائد کرنا ہے۔ پابندی اس کی ذات کی نشو ونما کے لئے رکھی جاتی ہے۔ یا تمدنی زندگی میں ایک دوسرے کے حقوق کی حفاظت کے لئے پابندی لازمی ہوتی ہے۔

۶۔ اگر خدا نے اپنی صفت رزّاقیت بتائی ہے تو یہ انسان کی ذمہ داری ہے کہ انسانوں کے رزق کا انتظام کرے۔

۷۔ جس شخص کے پیٹ میں روٹی نہیں، جس کے پاس تن ڈھانکنے کو کپڑا نہیں اس کیلئے دنیا کی کوئی خوشخبری وجہ جاذبیت نہیں ہو سکتی۔

۸ قوم کی ترقی کا معیار ایک اور صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ ہر فرد کو کیا میسر آتا ہے۔
۹ اوسط آمدنی کا مروّجہ انسانی طریقہ! ایک فرد کی آمدنی ۱۰۰ روپے، دوسرے کی ۱۰ روپے دونوں کو ملاکر ہوئی ۱۱۰ روپے۔ کہا گیا، ہر شخص کی آمدنی ۵۵ روپے ہے۔
۱۰ قرآن کریم پورے کا پورا سمجھ میں نہیں آسکتا جب تک ہم مذہب اور دین میں فرق کرنا نہ سمجھ لیں۔
۱۱ خدا کے دین کی مخالفت کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ یہ جو موجودہ مسلمانانِ عالم سرنگوں پھر رہے ہیں تو یہ دین کی ناکامی نہیں، یہ تو اپنے بنائے ہوئے مذہب کی ناکامی کا نتیجہ ہے۔
۱۲ قرآن افراد کی بات بہت کم کرتا ہے۔ وہ بات معاشرہ اور قوموں کی کرتا ہے کہ ان کے بگڑنے سے کوئی فرد بھی نہیں سنبھل سکتا۔
۱۳ ایک ہی چیز ہے جو اخلاق کو سنوار سکتی ہے۔ معاشرے کو سدھار سکتی ہے، وہ ہے خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل پر یقینِ کامل۔ سورۂ فاتحہ کے بعد پہلی ہی سورت میں کہا گیا ہے کہ مومنین کا ایمان خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل پر ہوتا ہے۔
۱۴ دل کا ارادہ جرائم کا تخم ہوتا ہے۔ قرآن کا قانونِ مکافاتِ عمل ارادے پر بھی گرفت کرتا ہے۔
۱۵ خدا کی اس رحمت کو ہم محسوس نہیں کرتے کہ وہ فوری گرفت نہیں کرتا، اس نے مہلت دی ہے تاکہ انسان برائیوں کو چھوڑ کر اعمالِ صالحہ اختیار کر لے۔ یہ مہلت قانون مکافات عمل کا جزو ہے۔ فوری گرفت ہوجائے تو دنیا میں کوئی انسان باقی نہ رہے۔
۱۶ معاشرہ کی اصلاح مطلوب ہے تو سب سے پہلے قرآن کی رُو سے تعلیم و تربیت دینا بہت ضروری ہے۔
۱۷ کسی انسان کے فیصلہ کو تنقید کی حد سے ماورا اور غیر متبدل سمجھ لینا اسے خدا بنا لینا ہے، تنقید کی حد سے بالا اور غیر متبدل صرف خدا کے فیصلے ہیں۔
۱۸ دنیا کی حلال و طیب چیزوں کو اپنے اوپر حرام قرار دے لینا یا دوسروں کے لئے حرام قرار دینا رہبانیت ہے۔ جو شیوۂ عیسائیت ہے۔
۱۹ قانون اس وقت قانون ہوتا ہے جب اس کو توڑنے کی کوئی سزا ہو۔ ورنہ قانون وعظ ہوتا ہے قانون نہیں ہوتا۔
۲۰ لغو قسم کے لئے جو جرمانہ رکھا گیا ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ تمہارے اندر ایسی نفسیاتی تبدیلی

پیدا ہو جو تمہیں آئندہ ان لغویات سے روک سکے۔

۲۱۔ نیکی وہ ہے کہ آپ نے تعمیری کام کیا کیا؟ یہ نہیں کہ آپ نے خراب کام نہیں کئے۔

۲۲۔ تقدیر کا مفہوم یہ ہے کہ قوانینِ خداوندی جو قائم کئے گئے ہیں کبھی بدل نہیں سکتے۔

۲۳۔ انسان ذمہ داری سے بچنے کے لئے سب کچھ اللہ پر دھرتا ہے۔

۲۴۔ دین ہر ایک کو اس کا مقام دینا سکھا دیتا ہے۔ خدا کا خدا کو۔ رسولؐ کا رسولؐ کو۔ متبعین کو مومنین کا۔ جہاں کسی کو اپنے مقام سے آگے کیا، دین کو بگاڑ دیا۔

۲۵۔ بخشش کے تصور نے دین کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا۔

۲۶۔ تعداد اُن کی ہوتی ہے جن کے دل ملے ہوتے ہیں۔ خالی اجسام کے طور پر لاکھوں بھی اکٹھے ہو جائیں تو کچھ نہیں بنتا۔

۲۷۔ خدا فراموشی حقیقت میں خود فراموشی کا نام ہے۔

۲۸۔ جو اکسانے والے کی بات میں آجاتا ہے وہ بھی مجرم ہوتا ہے۔

۲۹۔ سیرت کی بنیاد استوار ہوتی ہے، دل میں گزرنے والے خیالات سے۔

۳۰۔ آنے والے خطرہ سے بچنے کے لئے پہلے سے انتظام کرنے والا متقی ہوتا ہے۔

۳۱۔ یقیناً جس معاشرہ میں صلوٰۃ ہوگی، اس معاشرے میں نہ برائی ہوگی نہ بے حیائی۔ اگر یہ نہ ہو تو صلوٰۃ نہیں ہوگی۔ قرآن نے صلوٰۃ کا یہی ٹیسٹ بتایا ہے۔

۳۲۔ جو لوگ ٹیڑھا راستہ اختیار کرتے ہیں خدا انہیں صحیح منزل پر نہیں پہنچاتا۔

۳۳۔ جو معاشرہ خدا کے نام پر متشکل کیا جائیگا، اس میں خدا کی صفات بہ حدِ بشریت ہر فرد میں منعکس ہونی چاہئیں۔

۳۴۔ ساری کائنات خاموش کائنات ہے لیکن ساری کائنات مصروفِ عمل کائنات ہے۔

۳۵۔ جب کسی عمل کے نتیجے کے ظاہر ہونے کا وقت آجاتا ہے پھر اس کے لئے مہلت نہیں دی جاتی۔

۳۶۔ اپنی اور اپنے بچوں کی ضرورتوں میں ہی محدود ہو جانا تو حیوانی کام ہے۔ جانور یہی کرتے ہیں۔

۳۷۔ مذہب کے ساتھ متمسک ہو کر دین کے نتائج کی توقع رکھنا خود فریبی کے سوا کچھ نہیں۔

۳۸۔ اسلام کا احیاء اور دین کا تمکن اس مملکت میں ہو سکے گا جہاں فرقوں کا وجود نہ ہو اور ساری امت ایک ضابطہ خداوندی (قرآن مجید) کی اطاعت مرکز کی وساطت سے کرے۔

۳۹۔ تکریمِ انسانیت اور ربوبیتِ عالمین، یہ دو ستون ہیں۔ جن پہ اسلامی مملکت قائم ہوتی ہے۔
۴۰۔ اگر تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ تمہارا اللہ کے ہاں کیا مقام ہے تو یہ دیکھو کہ تمہیں مخلوق کیا سمجھتی ہے۔
۴۱۔ نماز روزہ انسان کے کردار کو جلا بخشتے ہیں۔ اگر ایسا نہیں تو وہ محض رسم کا کردار انجام دیتے ہیں۔
۴۲۔ مومن وہ ہے جو خود تنگی میں رہ کر دوسرے کی ضرورت کو پورا کر دے اور اس میں وہ سچی خوشی محسوس کرے۔
۴۳۔ زندگی ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے، اسے یا کفر کے راستے پر چلاؤ یا ایمان کے راستے پر۔
۴۴۔ کسی مقام پر بھی اللہ کی باندھی ہوئی حدود سے تجاوز نہ کرنا، اصول پرستی کہلاتا ہے۔
۴۵۔ حق کے معنی ہوتے ہیں جو پہاڑ کی طرح اٹل ہو۔ کسی طرح بھی اپنے مقام سے نہ ہلے۔ حق پہ کھڑے رہنا ضد نہیں ہوتی۔ اصول پرستی ہوتی ہے۔
۴۶۔ قرآن سے خدا کا تصور متعین کر لیا جائے تو سارا اسلام سمجھ میں آجاتا ہے۔
۴۷۔ دین کی اصل و بنیاد یہ حقیقت ہے کہ غلط اور صحیح اور جائز و ناجائز متعین کرنے کا اختیار صرف خدا کو حاصل ہے۔ اور اس نے اپنے اس اختیار کی رُو سے یہ فیصلے اپنی کتاب میں کر دیئے ہیں۔
۴۸۔ تعمیری کارروائیوں کے لئے خفیہ مشوروں کی ضرورت ہی نہیں ہوتی، وہ تو علی الاعلان کی جاتی ہیں۔
۴۹۔ تطفیف یہ ہے کہ کام کرنے والے کو اتنا دیا جائے جتنا تم چاہتے ہو کہ وہ کام کرے، اس سے آگے ایک قدم آگے نہ بڑھ سکے۔ سارا نظامِ سرمایہ داری، قرآن کے اس ایک لفظ میں آگیا ہے۔
۵۰۔ سلسبیل وہ چشمہ جو ہر دروازے پہ رُک کر پوچھے کہ پانی کی کتنی ضرورت ہے؟ جتنی ضرورت ہے پانی لے لو۔ تاکہ میں آگے بڑھوں اور دوسروں کو سیراب کروں۔
۵۱۔ قرآن کبھی انسان کے جذبات کو مارتا نہیں، ان کو صحیح چینل پہ لگا دیتا ہے۔
۵۲۔ جرم کے محرکات کو دور کرنا قرآن نے لازم ٹھہرایا ہے۔
۵۳۔ قرآنِ حکیم کو کتابِ ہدایت بنا کر نازل کیا گیا، اس میں دوراہے کے نقشے دیئے گئے ہیں، مگر

ہم نے اسے ورد وظیفہ کرنے کا تعویذ سمجھ لیا۔

۵۴۔ عذاب کی انتہا یہ ہے کہ تم مایوس ہو جاؤ گے۔ مایوسی عذاب کی شدت کا نام ہے۔ مجرمین اپنے لئے یہ جہنم آپ تیار کرتے ہیں۔

۵۵۔ قرآن نوعِ انسانی کے لئے ضابطۂ حیات ہے جس میں آدھی آبادی عورتوں کی ہے۔ نظام کے عالمگیر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں مرد اور عورت برابر کے شریک ہوں۔ وہ دور آئے گا کہ خود عورت سے کہا جائیگا کہ فردِ جرم مرتب کرو، مرد کے خلاف کہ اس نے کیا کیا۔ اور پھر نظامِ عدل قائم ہوگا۔

بقیہ حقائق و عبر صد ۶۲ سے آگے

۲۔ ہفت روزہ اہلحدیث کا شکریہ

قارئین طلوعِ اسلام جانتے ہیں کہ طلوعِ اسلام نے فرقہ اہل حدیث کے ترجمان ہفت روزہ اہل حدیث کی عربی زبان کی ایک سنگین غلطی کی اصلاح کرائی تھی۔ یہ غلطی 'درود شریف' کی عبارت کے بارے میں تھی، جس سے اہلحدیث حضرات حدیث میں تحریف کے مرتکب ہو رہے تھے، انہوں نے حدیث میں تحریف کرنے والی اپنی اس غلطی کو ٹھیک تو کر لیا لیکن اتنی اخلاقی جرأت نہ تھی کہ وہ طلوعِ اسلام کا شکریہ ادا کرتے۔

جب ہم نے ان کی توجہ اس طرف دلوائی تو وہ اصرار کرنے لگے کہ 'درود شریف' کی اضافے والی عبارت زیادہ مناسب ہے ہم نے ان ہی کی کتابوں سے یہ ثابت کیا کہ یہ اضافہ نہ صرف یہ کہ حدیث کی کتابوں میں تحریف ہے، بلکہ مفسرین کرام کی تصریح کے مطابق جو اس غلطی پر اصرار کرتا ہے، وہ رسول اللہ کی توہین کا مرتکب ہوتا ہے (جامع احکام القرآن جلد پنجم صد ۳٬۴)

چنانچہ اہلحدیث نے اب پھر صحیح درود لکھنا شروع کر دیا ہے۔ ہمارے لئے یہی خوشی کی بات ہے کہ انہوں نے اپنی ایک سنگین غلطی کی اصلاح کر لی ہے، وہ بے شک طلوعِ اسلام کا شکریہ ادا کرنے کی کڑوی گولی نہ نگلیں۔

حقائق و عبر

۱۔ شریعت بل تحریک دم توڑ چکی ہے!

شریعت بل کے سلسلے میں علماء کے مختلف فرقے جس طرح ایک دوسرے کی پگڑیاں اچھالتے رہے ہیں۔ اس کی جھلکیاں قارئین طلوع اسلام کے سامنے پیش کی جاتی رہی ہیں۔ بل کے مخالفین کا ایک حالیہ دعوےٰ ملاحظہ ہو، جسے روزنامہ نوائے وقت نے مذکورہ بالا سرخی کے تحت یوں شائع کیا ہے۔

لاہور ۱۳ فروری (پ ر) جماعت اہلِ سنّت پاکستان کے رہنما پیر سید محمد یعقوب شاہ آف پھالیہ نے کہا ہے کہ جماعت اسلامی اور پیپلز پارٹی کے مزاج میں کوئی فرق نہیں۔ آجکل ان کے درمیان پیدا ہونے والے نرم گوشوں میں دونوں طرف سے راز پنہاں ہیں اور مفادات وابستہ ہیں۔ جماعت اسلامی کا پیپلز پارٹی کے لئے نرم گوشہ پیدا ہونا شریعت بل منظور کروانے کی آخری ناکام کوشش ہے کیونکہ جماعت کی شریعت بل کی تحریک دم توڑ چکی ہے بلکہ بعض علماء و مشائخ جو اس تحریک میں شامل تھے وہ واپس آگئے اور اس مؤقف سے واضح طور پر دستبردار ہو گئے۔ جن میں پیر صاحب دیول شریف مولانا مفتی غلام سرور، قاری علامہ احمد علی قصوری اور دیگر شخصیات شامل ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جماعت اسلامی جونیجو حکومت کو پیپلز پارٹی کی حمایت کی دھمکی اور جمعیت طلباء سے توڑ پھوڑ کروا کے اپنے مخصوص نظریات کو نافذ کروانا چاہتی ہے۔ لیکن اس ملک میں نہ پیپلز پارٹی کا بھٹو ازم چلے گا اور نہ جماعت اسلامی کا مودودی ازم قوم کے لئے قابلِ قبول ہوگا۔ چند متعصب فرقہ پرست علماء اور منصورہ کی پلاننگ کسی صورت میں مسلط نہیں ہونے دی جائے گی اور اگر ایسی کوئی کوشش کی گئی تو اسے ناکام بنا دیا جائے گا۔

(روزنامہ نوائے وقت۔ بابت ۱۴ فروری ۱۹۸۷ء)

(باقی صلا پر)

طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی
مطبوعات کی قیمتیں

فروری ۱۹۸۷ء

نوٹ: ان قیمتوں میں ڈاک اور پیکنگ کا خرچ شامل نہیں۔

نام کتاب	قیمت
مفہوم القرآن (مکمل سیٹ ۔ کھلے پارے)	۱۵۰/- روپے
پارہ نمبر ۱، ۳۰ (فی پارہ)	۶/- ″
پارہ نمبر ۲ تا ۲۹ (″)	۵/- ″
مفہوم القرآن (مکمل سیٹ ۔ مجلد)	۱۸۰/- ″
(تین جلدوں میں) ۔ فی جلد	۶۰/- ″
لغات القرآن (مکمل سیٹ ۔ مجلد)	۲۲۵/- ″
جلد اوّل ۔ تازہ ایڈیشن ۔ فی جلد	۷۵/- ″
بقیہ تین جلدیں ۔ فی جلد	۵۰/- ″
تبویب القرآن ۔ تازہ ایڈیشن	۲۵۰/- ″
مطالب الفرقان ۔ (جلد اوّل)	۷۵/- ″
مطالب الفرقان ۔ جلد دوم ۔ تازہ ایڈیشن	۷۵/- ″
مطالب الفرقان ۔ جلد سوم	۷۵/- ″
مطالب الفرقان ۔ جلد چہارم	۹۰/- ″
مطالب الفرقان ۔ جلد پنجم	۷۵/-
مطالب الفرقان ۔ جلد ششم	۷۵/- ″
من و یزداں (تازہ ایڈیشن)	۷۵/-

نام کتاب	قیمت
ابلیس و آدم (تازہ ایڈیشن)	۷۵/- روپے
جوئے نور (تازہ ایڈیشن)	۶۰/- ″
برقِ طور (تازہ ایڈیشن)	۶۰/- ″
شعلۂ مستور (تازہ ایڈیشن)	۶۰/- ″
معراجِ انسانیت (تازہ ایڈیشن)	۹۰/- ″
مذاہبِ عالم کی آسمانی کتابیں	۱۵/- ″
انسان نے کیا سوچا؟ (تازہ ایڈیشن)	۷۵/- ″
اسلام کیا ہے؟ (تازہ ایڈیشن)	۵۰/- ″
کتاب التقدیر (تازہ ایڈیشن)	۶۰/- ″
جہانِ فردا	۴۰/- ″
شاہکارِ رسالت (تازہ ایڈیشن)	۷۵/- ″
نظامِ ربوبیت (جدید ایڈیشن)	۷۵/- ″
تصوّف کی حقیقت	۷۵/- ″
قرآنی قوانین (جدید ایڈیشن)	۲۵/- ″
سلیم کے نام خطوط (مکمل سیٹ)	۱۰۰/-
جلد اوّل، دوم ۔ فی جلد ۔ ۳۰/- روپے	
جلد سوم ۔ فی جلد ۔ ۴۰/- ″	
طاہرہ کے نام خطوط	۱۰/- ″
مقامِ حدیث	۲۰/- ″

نام کتاب	قیمت
قرآنی فیصلے (جلد چہارم -/۲۰ روپے) (جلد پنجم -/۲۰ روپے)	-/۴۰ روپے
ختم نبوت اور تحریک احمدیت (زیرِ طبع)	
اسلامی معاشرت	-/۶ "
اسباب زوالِ اُمت (تازہ ایڈیشن)	-/۵ "
قتلِ مرتد اور غلام اور لونڈیاں اور یتیم پوتے کی وراثت	-/۱۲ "
حسن کردار کا نقش تابندہ (تازہ ایڈیشن)	-/۱۲ "
فجر الاسلام (مکمل)	-/۲۰ "
منزل بہ منزل	-/۱۵ "
پرنسپلز آف لا میکنگ اِن اسلام (انگریزی)	-/۶ "
تاریخ الاُمت (۶ جلدیں)	-/۳۰ "
ISLAM_A CHALLENGE TO RELIGION H. BOUND مجلد	-/۷۵ "

نام کتاب	قیمت
حسب ذیل کتب کے سابقہ ایڈیشن ختم ہو چکے ہیں۔ تازہ ایڈیشن چھپنے پر اعلان کیا جائے گا۔ جہاد، سلسبیل، بہارِ نو، الفتنۃ الکبریٰ، فردوسِ گم گشتہ، عربی خود سیکھئے، پاکستان کا معمارِ اول، اقبال اور قرآن، قرآنی فیصلے (اول، دوم، سوم)	
تصنیفات (انگریزی) ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب	
CONSPIRACIES AGAINST THE QUR'AN	-/۶۸ روپے
~~THE HEAVENS, THE EARTH & THE QUR'AN~~	~~-/۴۴~~ "
FOOD & HYGIENE IN ISLAM	-/۹ "
THE HEAVENS, THE EARTH & THE QUR'AN	-/۸۴ "
GATEWAY TO QUR'AN	-/۵۴ "

ماہنامہ طلوعِ اسلام کا سالانہ چندہ

(۱) اندرونِ ملک پاکستان -/۴۸ روپے
غیر ممالک بذریعہ بحری ڈاک -/۱۱۰ روپے

۲۔ غیر ممالک بذریعہ ہوائی ڈاک

(i)۔ ایران، عراق، مصر اور بنگلہ دیش -/۱۴۰ روپے
(ii)۔ عرب امارات، لبنان، یمن، کویت، سعودی عرب، سری لنکا، جزائر مالدیپ وغیرہ۔ -/۱۵۰ روپے
(iii)۔ انڈیا، برما، لیبیا، کینیا، یوگنڈا، جنوبی افریقہ وغیرہ -/۱۶۰ روپے
(iv)۔ یورپ کے ممالک (برطانیہ، فرانس، ناروے وغیرہ -/۱۶۰ روپے
(v)۔ جنوب مشرقی ایشیائی ممالک (فلپائن، سنگاپور، ملائشیا، جاپان وغیرہ) -/۱۶۰ روپے
(vi)۔ امریکہ، کینیڈا، نیوزی لینڈ، آسٹریلیا، جزائر فجی وغیرہ -/۲۰۸ روپے

(۳) مذکورہ بالا چندہ میں خرچ ڈاک شامل ہے۔ البتہ جو خریدار پرچہ بذریعہ رجسٹری منگوانا چاہیں ان کی طرف سے فیس رجسٹری (-/۳ روپے فی پرچہ) علیحدہ ادا کرنا ہوگا۔ والسلام

نوٹ: ماہنامہ طلوعِ اسلام کے لیے صرف ادارہ طلوعِ اسلام کو لکھیے۔

کتابیں ملنے کے پتے: (۱) ادارۂ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) ۲۵ بی گلبرگ ۲ لاہور، (۲) مکتبہ دین و دانش چوک اردو بازار لاہور